اشاعت دوم

نام کتاب ——— اسمائے سورۃ فاتحہ

تعداد ——— ایک ہزار

تاریخ اشاعت ——— ۲۱ فروری ۱۹۸۷ء

طباعت ، ایس ٹی پرنٹرز گوالمنڈی راولپنڈی فون ۷۲۸۱۸

قیمت ——— ۳ روپے

خوش نویس ——— شبیر احمد

ملنے کا پتہ ———

شعبہ نشر و اشاعت ادارہ منہاج القرآن ،

۲۷-بی ، المرکز ، جی نائن ، اسلام آباد۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ اوّل

یوں تو علامہ اقبالؒ کا یہ شعر ___

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

___ حقیقت پر مبنی ہے لیکن ہر دور میں ایسے مقبولانِ خدا ضرور تشریف لاتے رہے جنہوں نے اپنے خون سے شجرِ انسانیت کی آبیاری کی اور بے شک شمعِ رسالت کے ایسے پروانے تا قیامت پیدا ہوتے رہیں گے جو خود جل کر چراغِ مصطفوی کو روشن دکھاتے رہیں گے۔ جامع الدرر میں ہے قال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان اللہ یبعث فی ھذہ الامۃ علی راس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا امر دینھا ترجمہ: ہر صدی کے شروع میں اس امت سے اللہ تعالیٰ ایک مجدد کو بھیجتا رہے گا جو دین کو نئے سرے سے درست کرتا رہے گا۔

پندرھویں صدی کا آغاز ہو چکا ہے کہ امتِ مصطفوی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جو شرارِ بولہبی کی زد سے محفوظ ہو۔ ہم اعتقادی افراط و تفریط اور ایسے لایعنی مسائل میں الجھ کر ہاتھ پر ہاتھ دھرے منتظر ہیں کہ اللہ کریم آسمانوں سے کسی فرشتے کو نازل فرمائے گا جو ہمیں تمام مشکلات سے نکال کر منزلِ مقصود تک پہنچا دے گا۔ بار بار سامنے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسھم ہے

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

___ صرف تلاوت تک محدود ہو کر رہ گیا ہے۔

خالقِ کائنات جل جلالہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے ہم سرگردانوں کو عصری تقاضوں کے عین مطابق ایک ایسا میرِ کارواں بخشا ہے جو نہ صرف گفتار کا غازی بلکہ شانِ کردار کا بھی مالک ہے جو آج قلب و جگر میں پوری امتِ مسلمہ کا درد سمیٹے پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی صورت میں جلوہ فگن ہے جس کے شب و روز صرف اور صرف ملتِ مسلمہ کی اصلاح و فلاح کے لئے وقف ہیں جس کی ہر تقریر و تحریر کا ہر لفظ امتِ مسلمہ کو ایک پلیٹ فارم پر لا کر اسلام کے اصل اور ازلی دشمن یہود و نصاریٰ کے مقابلے میں صف آرا ہونے کے لئے پکار رہا ہے۔ خداوند کریم اس مردِ مجاہد کی عمر دراز فرمائے اور یہ عالمگیر مشن انہی کے مبارک ہاتھوں پایۂ تکمیل تک پہنچے۔ آمین بحق النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

ادارہ منہاج القرآن اپنے دوسرے مرحلے "مرحلۂ تنظیم" کے آخری ایام سے گزر رہا ہے۔ اندرون و بیرونِ ملک ادارے کے صوبائی، ضلعی اور شہری دفاتر لاشمار یہاں قائم ہو چکے ہیں اور خداوند قدوس کے فضلِ عظیم اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نعلین پاک کے صدقے آئندہ چند سالوں میں دیکھنے والے دیکھیں گے کہ اس مشن کے جھنڈے کرۂ ارض کے اطراف و اکناف میں لہرائیں گے۔

ہم اہلیانِ [illegible] کو مبارکباد عرض کرتے ہیں کہ یہاں بھی ادارہ منہاج القرآن کا باقاعدہ دفتر قائم ہو چکا ہے۔ الحمد [illegible]

[illegible] شدہ

کیسٹس پر مشتمل منہاج القرآن لائبریری کا آغاز بھی ہو چکا ہے جس سے ہر فرد مبلغ ۱۰۰ روپے سیکورٹی (قابل واپسی) اور صرف ۱۰ روپے ماہانہ زرِ ضمانت کی ادائیگی پر استفادہ کر سکتا ہے۔

اسلام آباد کے رفقاء و اراکین نے اپنے محدود وسائل کے باوجود احباب کی ضرورت کو مدنظر رکھتے ہوئے اسلام آباد میں جناب قادری صاحب کے ہر درسِ قرآن کو آڈیو اور ویڈیو کیسٹس کے علاوہ کتابی صورت میں بھی محفوظ کرنے کا اہتمام کیا ہے تاکہ ہر کس و ناکس کے لئے اس سے استفادہ ممکن ہو۔ چنانچہ گذشتہ درسِ قرآن جو ماہ دسمبر ۱۹۸۶ء کی ۱۳ تاریخ کو ہوا تھا، ادارہ اس کو صفحۂ قرطاس پر لانے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔ یہ درس کیسٹ سے تحریری صورت میں لایا گیا ہے اور ہم نے کسی بھی تغیر و تبدل یا الفاظ کی کمی و بیشی سے حتی الامکان گریز کیا ہے۔

ہم امید کرتے ہیں کہ قارئین محترم اس سلسلے کو بہتر طور پر چلانے کے لئے ہمیں اپنی آراء سے نوازیں گے۔ ان شاء اللہ ہر درس کو کتابی شکل میں پیش کرنے کا یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ خداوند عزوجل ہم پر اپنا فضل فرمائے اور اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے ہمیں بیدار مغزی عطا فرمائے۔ آمین

والسلام علیکم

احقر

قاری ناصر محمود احمد سیالوی

ناظم نشر و اشاعت

ادارہ منہاج القرآن،

بلاک ۲۷، قمر جب 'المرکز'، جی نائن (کراچی کمپنی) اسلام آباد۔



نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ وَنُسَلِّمُ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِہِ النَّبِیِّ الْاَمِیْنِ الْمَتِیْنِ
الْکَرِیْمِ الرَّؤُفِ الرَّحِیْمِ ۝

امّا بعد۔ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ العالمین ۝ الرحمٰن الرّحیم ۝ مالک یوم الدین ۝ ایاک نعبد وایاک نستعین ۝ اھدنا الصراط المستقیم ۝ صراط الذین انعمت علیھم ۝ غیر المغضوب علیھم والضالین ۝ صَدَقَ اللّٰہُ مولٰنا العظیم ۝

محترم مشائخ وعلمائے کرام، معزز رفقاء و اراکین و مکرم حاضرین، سامعین! اللہ رب العزت کا احسان اور انعام ہے کہ ہم محض اُس کی توفیق سے اس کی رضا کے لئے اس کی مقدس کتاب کے درس کی مجلس میں حاضر ہیں اور اسی کے فضل اور شفقت و عنایت سے منہاج القرآن کے زیر اہتمام یہ سلسلہ وار درسِ قرآن کی مجالس ہو رہی ہیں۔ اِس لئے ہم اُس کے فضل پر پوری امید رکھتے ہیں کہ جہاں وہ اپنے دینِ مبین اور اپنی کتابِ مقدس کی خدمت کی ہم سب کو توفیق مرحمت رہا ہے وہاں وہ اس ٹوٹی پھوٹی کوشش کو اپنی بارگاہ میں قبول بھی فرمائے گا۔

حاضرینِ محترم! آپ کو یاد ہو گا کہ سلسلہ وار ماہانہ درسِ قرآن کی پچھلی نشست میں ربیع الاوّل کے سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بیان سے قبل جو آخری گفتگو ہم نے کی تھی وہ سورۃ فاتحہ کے اسماء کے موضوع پر کی تھی اور غالباً سورۃ فاتحہ کے اسماء کا بیان مکمل نہیں ہوا تھا یعنی ۱۷، ۱۸ یا ۱۹ کے قریب سورۃ فاتحہ کے مختلف اسماء پر بیان ہو چکا تھا اور آج بقیہ تین، چار یا پانچ اسمائے مبارکہ کا ذکر انشاء اللہ تعالیٰ ہماری گفتگو کا موضوع ہو گا۔

یاد دہانی کے لئے یہ بات عرض کرنا چاہتا ہوں کہ میں نے ابتدا ہی میں عرض کیا تھا کہ کسی سورۃ، شخصیت یا کسی وجود کا متعدد الاسماء ہونا یعنی اس کے ناموں کا کثرت سے ہونا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس کے اوصاف، کمالات بھی کثرت کے ساتھ ہیں۔ چونکہ ہر نام کسی نہ کسی کمال پر دلالت کرتا ہے۔ ہمارا حال تو مختلف ہو گیا ہے یعنی ہم تو اب نام جب لیتے ہیں تو پانچ پانچ چھ چھ

[illegible] ... ان میں
سے کوئی کمال بھی ہمارے اندر موجود ہوتا ہے یا نہیں۔ اس لئے کہ ہم بے مقصد اور عبث گفتگو کر لیتے ہیں۔ لیکن اللہ جلّ جلالہٗ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا کلام عبث اور بے مقصد نہیں ہو سکتا۔ سو اللہ ربّ العزت اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جب کسی قرآن مجید کی سورۃ کو یا کسی فرد کو یا کسی شے کو یا کسی دعا کو یا کسی کلمہ کو بہت سے ناموں کے ساتھ نوازتے ہیں تو انہیں بہت سے اسماء کے ساتھ نوازا جانا اس امر پر صراحتاً دلالت کرتا ہے کہ جتنی کثرت سے اس کے اسماء گنے گئے ہیں، اسی کثرت سے اللہ تعالیٰ نے اسے اوصاف و کمالات اور تاثیرات و برکات عطا فرمائی ہیں۔ اس لحاظ سے جب ہم سورۃ فاتحہ کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ قرآن مجید کی تمام سورتوں میں منفرد اور امتیازی شان کی حامل نظر آتی ہے اس پر ہم تفصیل سے گفتگو آغاز میں کر چکے ہیں۔

اس لئے ہم نے سورۃ فاتحہ کے اُن بہت سے اسماء پر گفتگو تفصیل کے ساتھ کی جو حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں وارد ہوئے یا جن کا اشارہ اور ذکر ہمیں قرآن مجید میں ملتا ہے۔ ان اسماء پر شرح و بسط کے ساتھ گفتگو کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ ذہن میں یہ سوال ابھر سکتا ہے کہ جو مضمون سورۃ فاتحہ میں بیان کیا گیا سیدھا اس پر گفتگو کا آغاز کیا جائے۔ اگر اس کے بہت سے اسماء کا بیان احادیث میں آیا ہے تو فقط اُن کا بتا دینا ہی کافی ہے۔ اُن پر تفصیل سے گفتگو کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ اگر ذہن میں یہ سوال اُبھرے تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کسی سورۃ کو اتنی کثرت کے ساتھ اسماء عطا کیے اور کثرت کے ساتھ اس کے اسماء بیان کیے تو صاف ظاہر ہے کہ ان کثیر اسماء کے پیچھے کوئی حکمت ہو گی۔ کوئی مصلحت ہو گی اور ہر ہر اسم اس کی کسی خاص اہمیت کی طرف ہمیں متوجہ کر رہا ہو گا۔ اسم ہمیشہ مسمّٰی کی کسی نہ کسی صفت کی طرف متوجہ کرتا ہے تو ان اسماء پر باقاعدہ گفتگو کا مقصد یہی تھا کہ بہت سے اسماء کے ذریعے اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہمیں اس سورۃ کے جن فضائل سے آگاہ کرنا چاہتے ہیں اور اس سورۃ کی جن برکات، تاثیرات سے آگاہ کرنا چاہتے ہیں ان اسماء کے عنوانات کی صورت میں ہم تھوڑی زیادہ گفتگو ان فضائل پر کریں اور ان اثرات، برکات کو سمجھیں تاکہ ہم سورۃ فاتحہ کے فیضان سے ہر اعتبار سے اپنا حصہ پا سکیں۔

چنانچہ ان اہم سورۃ فاتحہ کے جن اسما کا ذکر کر رہے ہیں اس سلسلے میں پہلا نام سورۃ الکافیہ ہے اس سورۃ فاتحہ کو سورۃ کافیہ بھی قرار دیا گیا۔ اور کافیہ آپ کو معلوم ہے، کافی کو کہتے ہیں اور اس کا معنیٰ یہ ہے کہ یہ سورۃ ہر ایک کا بدل ہو سکتی ہے اور ہر ایک کے بدل کے طور پر کفایت کر سکتی ہے۔ یعنی یہ سورۃ کافی ہے جس کا معنیٰ یہ ہے کہ یہ سورۃ تو برکت کے اعتبار سے، تاثیر کے اعتبار سے دوسری ہر شے کی جگہ لے سکتی ہے، کافی ہو سکتی ہے۔ لیکن کوئی اور شے اس کی جگہ نہیں لے سکتی۔ اس کی جگہ پُر نہیں کر سکتی۔ اس کلمہ کی بنیاد یہ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہے جس کو حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا "ام القرآن"۔ اور میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ "ام القرآن" بھی اسی سورۃ فاتحہ کا نام ہے۔ "ام الکتاب" بھی اسی سورۃ فاتحہ کا نام ہے [1] حضور پاکؐ نے فرمایا: اُمُّ الْقُرْآنِ عِوَضٌ عَنْ غَیْرِهَا وَلَیْسَ غَیْرُهَا عِوَضاً عَنْهَا۔ کہ یہ سورۃ فاتحہ جو قرآن کا اصل ملخص ہے، اُم ہے۔ یہ ہر سورۃ کا عوض ہے۔ یہ قرآن کی باقی ۱۱۳ سورتوں میں سے ہر سورۃ کا بدل ہے، لیکن کوئی اور سورۃ اس کا بدل نہیں ہے۔ یہ اس سورۃ کی امتیازی فضیلت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیان فرمائی اور یہی اس کی وجہ تسمیہ ہے۔ "کافیہ" کی وجہ تسمیہ کہ یہ ہر ایک کی جگہ کفایت کرتی ہے اور ایک وجہ تسمیہ اس کے نام رکھے جانے کی یہ بھی ہو سکتی ہے کہ یہ سورۃ قرآن مجید کے جملہ علوم، معارف اور تعلیمات، ہدایات کی اس قدر جامع ہے کہ قرآن مجید کی ساری تعلیمات کا عطر اور نچوڑ اور شریعتِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ساری ہدایات کا خلاصہ اس سورۃ کے اندر اللہ رب العزت نے جمع فرما دیا سو جس کو اس سورۃ کی حقیقت نصیب ہو گئی۔

اس کو پورے دین کی حقیقت نصیب ہو گئی اور جو اس سورۃ کے جوہر کو پا گیا وہ پورے قرآن کے جوہر کو پا گیا۔ عرفائے کاملین کے نزدیک شریعت یعنی راہِ سلوک میں چار مقامات آتے ہیں ایک مقام شریعت کہلاتا ہے، ایک طریقت کہلاتا ہے، ایک معرفت کہلاتا ہے اور ایک حقیقت کہلاتا ہے۔ اور پھر عرفاء صوفیا نے ان چاروں مقامات میں سے ہر ہر مقام کے کم سے کم دس دس آداب بیان کئے ہیں۔ یہ چاروں مقامات

[1] بخاری شریف

[illegible]

بعض اور کوئی ایک مقام بھی ایسا نہیں کہ اس میں سے گزر جانے کے بعد اگلے مقام میں داخل ہو کر پچھلے کی ضرورت نہ رہ جاتی ہو تو ایسا کوئی تصور نہیں کہ شریعت کے آداب کو پورا کر لینے کے بعد جب کوئی آداب طریقت میں قدم رکھے تو یہ کہنے لگے کہ مجھ پر اب شریعت ساقط ہو گئی معاذ اللہ کہ میں شریعت کی منزل کو عبور کر چکا اور اب شریعت کے فرائض میرے لئے لازم نہیں رہے ۔ ایسا کوئی تصور نہ اسلام میں ہے اور نہ صوفیاء کے ہاں ہے ۔ ایسا سمجھنا بغیر شک و شبہ کے کفر ہے، گمراہی ہے اور ضلالت ہے لیکن میں عرض یہ کر رہا تھا ۔ اگر آپ اس موضوع کو ان چار آداب کو پڑھنا اور سمجھنا چاہیں تو ہمارے جو لاہور میں درسِ تصوف ہوتے ہیں ۔ اسی طرح لاہور میں درسِ تصوف بھی سلسلہ وار ہوتا ہے تو درسِ تصوف کے سلسلہ وار کیسٹس ہیں ۔ سے آٹھ نو کیسٹس ان چار مقامات کے بیان پر مشتمل ہیں ۔ شریعت، طریقت، معرفت اور حقیقت ۔ تو آٹھ نو یا دس کے قریب کیسٹس ایسے ہوں گے ۔ پورا سیٹ جو ان چار مقامات کے بیان پر اور ان کے آداب کے بیان پر مشتمل ہے ۔

جو احباب یہ شوق رکھتے ہوں اور ان کو سمجھنا چاہیں وہ اُن کیسٹس کو لے کر سن سکتے ہیں میں عرض یہ کر رہا تھا کہ عرفائے کاملین کا ارشاد کہنا یہ ہے کہ یہ چاروں مقامات اور ان چاروں مقامات کے جملہ آداب سارے کے سارے سورۃ فاتحہ کے اندر موجود ہیں ۔ یعنی سورۃ فاتحہ کی جامعیت اور اس کا کفایت کرنا ۔ اس کا یہ عالم ہے کہ سارے مقامات اور ان کے جملہ آداب اُن کو سمجھنے کے لئے یہی سورۃ فاتحہ کافی ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سورۃ فاتحہ کو یہ لقب عطا فرمایا ۔ کہ یہ وہ سورۃ ہے جو کفایت کرتی ہے ۔ امام بخاریؒ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں [1] فاتحہ الکتاب تعدل ثلث القرآن دو تہائی قرآن کے پڑھنے کے ثواب کا حکم رکھتی ہے یعنی یہ اس کی شانِ کفایت ہے ۔ خود قرآن کی ایک سورۃ ہو کر اپنی شانِ کفایت میں اس کا یہ عالم ہے کہ حدیث پاک میں ہے کہ دو تہائی قرآن مجید کا پڑھا جانا

[1] بخاری شریف

یعنی کتنے پاروں کا پڑھا جانا بیس پاروں کی تلاوت سے جو ثواب ملتا ہے سورۃ فاتحہ حکماً اس قدر ثواب رکھتی ہے ۔

بیس پاروں کی تلاوت کا ثواب سورۃ فاتحہ کے پڑھنے سے حکماً نصیب ہوتا ہے یعنی اس کا معنیٰ یہ نہیں ۔حکماً کا لفظ جو میں دہرا رہا ہوں اس سے مراد یہ ہے کہ اس کا معنیٰ یہ نہیں کہ آپ کہنے لگیں کہ سورۃ فاتحہ پڑھ لی تو بیس پارے پڑھ لئے ۔اب رہ گئے بقایا دس بس انہی کو پڑھنا چاہیے تیس کو پڑھنے کی ضرورت نہیں ۔ ایسی کوئی بات نہیں بعض اوقات ایسے تصورات کا کچھ لوگ مذاق بھی اُڑاتے ہیں بعض اوقات ۔ یہ بدنصیبی ہے ۔ اور مذاق اس لئے اڑا دیتے ہیں کہ ان کو مطالعہ نہیں ہوتا دین کا اور احادیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو پڑھا نہیں ہوتا اور دینی تصورات کو ORIGINAL SOURCES اور یجنل سورسز DIRECT SOURCES ' ڈائرکٹ سورسز سے سے سمجھا نہیں ہوتا ۔ وہ سمجھتے ہیں کہ شاید یہ باتیں قصے کہانیاں ہیں اور لوگوں نے ایسے ہی گھڑ رکھی ہیں جب کہ میں آپ کو حدیث عرض کر رہا ہوں ۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اِسے بیس (۲۰) پاروں کی تلاوت کے لئے حکماً کافی قرار دیا ہے ۔یہ اس لئے عرض کیا کہ حکم اس کا اتنے ثواب کا ہے ورنہ از خود قرآن مجید کے ایک ایک لفظ کا پڑھنا' اس کا حکم' اس کا درجہ' اس کی برکت اپنی جگہ ہے ۔ یہ بالکل اُسی طرح ہے اگر اس تصور کو آپ ایک دلیل سے سمجھنا چاہیں تو یہ بالکل اسی طرح ہے جیسے[۱] حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جو شخص ایک محبت بھری ادب کی نگاہ اپنے والدین کے چہرے پر ڈال لے تو اسے مبرور حج کا ثواب مل جاتا ہے ۔ بس اس دلیل سے آپ کو یہ مسئلہ سمجھ میں آگیا کہ ایک محبت بھری ادب کی نگاہ جو والدین کے چہرے پر ڈال لے اُسے مبرور حج کا ثواب ملتا ہے ۔اس کا معنیٰ یہ ہرگز نہیں کہ اب وہ حج کرنے سے آزاد ہو گیا ۔ حج کرنا اپنی جگہ فرض ہے اور اپنی جگہ کسی کے لئے نفل ہے لیکن اس کو حکماً مبرور حج کے ثواب کے لئے کافی قرار دیا گیا ۔حکماً اس عمل کی فضیلت اتنی بیان فرمائی اس لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا[۲] اَعْظَمُ سُورَةٍ فِي الْقُرْآنِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْن ۔حضرت ابو سعید بن المعلیٰ روایت کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ قرآن

[۱] دارمی شریف [۲] بخاری ' بیہقی ' حاکم

میں سب سے بڑی، سب سے عظیم اور سب سے اعلیٰ اور ارفع سورۃ، سورۃ فاتحہ ہے اور حضرت انس بن مالک رضؓ سے مروی ہے صحیح بخاری میں کہ افضل القرآن اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کہ قرآن مجید میں سب سے افضل سورۃ، سورۃ فاتحہ ہے، سورۃ الحمد ہے۔ تو اجر و ثواب کے اعتبار سے اس سورۃ کو اتنا اعلیٰ رتبہ اور اعلیٰ درجہ عطا فرمایا گیا ہے یہی وجہ ہے کہ اس سورۃ کا کافیہ ہونا "سورۃ کافیہ" ہونا یعنی سورۃ کی شانِ کفایت اجر و ثواب میں اس کا کافی ہو رہنا۔ یہی باعث ہے اس امر کا کہ مرحومین کے ایصالِ ثواب کے لئے سورۃ فاتحہ کا پڑھنا جزو لاینفک قرار دیا۔ فوت شدگان کے ایصالِ ثواب کے لئے آپ جو چاہیں، پڑھ لیں [1] فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ط قرآن میں سے ایک آیت بھی آپ کو آتی ہو پڑھ لیں اللہ پاک اس کا ثواب بھی پہنچا دیتا ہے۔ لیکن سورۃ فاتحہ کی شانِ کفایت کا یہ عالم ہے کہ ایصالِ ثواب میں قرآن مجید کی تلاوت کے اندر بزرگانِ دین نے سورۃ فاتحہ کا پڑھنا جزو لاینفک قرار دیا، لازمی اور لابدی قرار دیا۔ اس لئے کہ یہ ہر ایک کا بدل بن سکتی ہے۔ کوئی اس کا بدل نہیں ہو سکتا۔ اب بزرگانِ دین سے جو مستحب طریقہ ایصالِ ثواب کے لئے منقول ہے۔ اس میں سورۃ فاتحہ جب پڑھی گئی حکمت اس کی دیکھئے یہ ہے کہ جب سورۃ فاتحہ ایک بار پڑھی گئی تو وہ اپنے حکم میں دو تہائی قرآن پاک کے ثواب کے برابر ہو گئی اور پھر حدیث [2] پاک میں آتا ہے کہ سورۃ اخلاص "قل ھو اللہ احد" اگر اس کو ایک بار پڑھا جائے تو ایک تہائی قرآن کے پڑھنے کا ثواب ملتا ہے۔ دس پارے قرآن کی تلاوت کے حکم میں سورۃ اخلاص کا پڑھنا ہے۔ تو ایک بار سورۃ فاتحہ اور ایک بار سورۃ اخلاص جب پڑھا تو بیس ۲۰ اور دس پارے ملا کر گویا قرآن کے تیس ۳۰ پارے کی تلاوت کا حکم آپ کو میسر آگیا۔ اجر و ثواب کے اعتبار سے تو ایصالِ ثواب کے لئے جب قرآن پڑھا جائے کم سے کم ایک بار سورۃ فاتحہ اور ایک بار سورۃ اخلاص ضرور پڑھا جائے تاکہ وقت تو اس پر اتنا صرف نہ ہوگا لیکن پڑھنے والے کو بھی اور جس کے ثواب پہنچانے کے لئے پڑھا گیا۔ اس کو ایک ڈیڑھ منٹ میں کم سے کم پورے قرآن کی تلاوت کا ثواب تو اللہ پاک دے دے گا اور یہ سخاوت ہے میں یہاں نقطہ عرض کر دوں کہ ایصالِ ثواب کیا ہے یہ روحانی سخاوت ہے اور سخاوت اللہ کو بہت پسند ہے۔ سخاوت کا عمل اور

[1] سورۃ مزمل پ ۲۹، آیت ۲۰   [2] بخاری شریف

[illegible] ہیں آپ [illegible] دوسرے
کو دیں۔ اس کو سخاوت کہتے ہیں اور اللہ جلّ مجدہ کریم نے اپنے کرم کی انتہا فرما دی ہے کہ ہماری ملکیت کی چیزیں ہوں۔ مادی دنیا میں اور وہ سخاوت کریں کسی کو دے دیں تو وہ شئ اُسی کے پاس چلی جاتی ہے اور وہ ہمارے پاس نہیں رہتی لیکن اعمال صالحہ کا یہ عالم ہے کہ اسے کر کے جو اجر و ثواب اللہ پاک ہمیں عطا کرتا ہے اگر ان میں ایثار، سخاوت کریں تو جتنا ثواب دوسرے کو جاتا ہے اتنا اپنے پاس بھی تو رہتا ہے یعنی یہ اللہ کا بیش از بیش کرم ہے اس سخاوت کے بدلے کے طور پر اجر کے طور پر۔ امام بیضاوی علیہ رحمۃ نے اپنی تفسیر بیضاوی میں اس سورۃ فاتحہ کے حوالے سے سورۃ فاتحہ کے فضائل کے باب میں یہ حدیث نقل فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جلیل القدر اصحابی ہیں۔ وہ روایت کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اللہ جلّ مجدہ بعض لوگوں پر ان کے اعمال کے باعث عذاب کرنے کا حتمی فیصلہ فرمالیں گے۔

۱ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ان القوم لیبعث اللہ علیہم العذاب حتماً مقضیاً فیقرأ صبی من صبیانہم فی الکتاب الحمد للہ رب العالمین فیسمع اللہ تعالیٰ فیرفع عنہم بذالک العذاب اربعین سنۃ

اللہ پاک اس کے اعمال کے باعث یہ فیصلہ فرمالیں گے۔ اس شخص پر عذاب کرنے کا اور بعد میں کیا ہوگا کہ اس مرحوم کی اولاد میں سے کوئی بچہ بیٹھ کر قرآن مجید کی تلاوت کرے گا اور الحمد للہ رب العالمین کی سورۃ پڑھے گا۔ جب سورۃ فاتحہ کی تلاوت کرے گا۔ اس کے بچوں میں سے کوئی بچہ تو اللہ پاک اس بچے کی تلاوت سن لے گا۔ جب سماعت فرمالے گا تو اللہ پاک کو سورۃ فاتحہ بچے کی زبان سے سُن کر حیا آجائے گا اور اس سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے باعث جو اس بچے نے کی چالیس سال تک اُس مرحوم شخص کے عذاب کو اٹھا دیا جائے گا۔ میں آپ کو کوئی قصہ یا حکایت کسی کتاب سے نہیں سنا رہا۔ میں حضرت حذیفہ بن یمان رضؓ سے مروی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حدیث سُنا رہا ہوں جن کو قاضی بیضاوی محقق بیضاوی جیسے مستند اور معتبر شخص نے جن کا قول اور تفسیر سند ہے اور جو اطراف و اکناف عالم میں متن کے طور مدارس میں پڑھائی جاتی ہے۔ تفسیر بیضاوی واحد تفسیر ہے جو برصغیر پاک و ہند میں متن کے طور

۱ البیضاوی مطبوعہ مصر ۹

[illegible] یہ
وہ حدیث ہے "کہ بچہ سورۃ فاتحہ پڑھے گا اللہ پاک وہ سُن لے گا اور اس کی تلاوت کی برکت سے
چالیس سال تک اس مرحوم کے عذاب کو مرتفع فرما دے گا"۔ یہاں دو باتیں معلوم ہوگئیں ایک تو سورۃ
فاتحہ کی فضیلت اور اس کی برکت جو ہمارا موضوع ہے۔ دوسری بات جو اس حدیث سے ہی مترشح
ہوئی وہ یہ کہ تلاوت تو کی سورۃ فاتحہ کی اس کے بچے نے مرنے والے نے خود نہیں کی۔ وہ
تو فوت ہوچکا اور اپنے اعمال کے نتیجے میں عذاب کا مستحق ہے اور اللہ پاک اس کے عذاب
کا فیصلہ فرما چکے ہیں۔ یہ اُس کے اعمال کا نتیجہ ہے اور سورۃ فاتحہ جو پڑھی یہ کس کا عمل
ہے۔ یہ بچے کا عمل ہے۔ جو اس کا عمل تھا اس کا نتیجہ آپ دیکھ چکے کہ عذاب شروع ہونے
والا ہے اور سورۃ فاتحہ جو پڑھی یہ کس کا عمل ہے۔ بچے کا عمل۔ پڑھی اس بچے نے جس کو
رب العزت نے سُنا اور اس کی تلاوت کی گئی سورۃ کی برکت کی وجہ سے عذاب مرتفع کر
دیا اس شخص کا جو قبر میں ہے۔ اس حدیث پاک نے یہ تصور بھی اہل اسلام پر واضح فرما دیا
کہ بعد کے لوگ جو اعمالِ صالحہ کرتے ہیں۔ اللہ کی رضا کے لئے ان اعمالِ صالحہ کی برکت اور
ان کا فیض اور ان کی تاثیر صرف ان کرنے والے اور پڑھنے والے زندوں کو ہی نہیں
میسر آتی بلکہ اس کی برکت اور فیض سے مرنے والے قبر میں بھی متمتع ہوتے ہیں، فیض
پاتے ہیں اور فائدہ پاتے ہیں۔ گویا یہ قرآن مجید پڑھنے اور اعمال صالح کے کرنے کی اتنی
برکات ہیں کہ ان کی آپ حد بندی نہیں کر سکتے۔ یہ اس دنیا سے بڑھ کر عالم برزخ تک
لوگوں کو فیض یاب کرتے ہیں۔ قبور میں بھی فیض یاب کرتے ہیں۔ اسی مسئلہ کو مسئلہ ایصالِ
ثواب کہتے ہیں۔ اس کو کیا کہتے ہیں؟ مسئلہ ایصالِ ثواب یعنی ثواب پہنچانے کا مسئلہ چونکہ
حدیث پاک میں سورۃ فاتحہ کے فضائل میں یہ بات آگئی اور پھر عرفاً اس پورے عمل کو بھی فاتحہ
کا نام دے دیا جاتا ہے۔ ایصالِ ثواب کے عمل کو آپ کہتے ہیں کہ میں فلاں جگہ فاتحہ پڑھنے
گیا تھا۔ فلاں کی فاتحہ میں شرکت کے لئے گیا تھا تو پورا عمل جو ایصالِ ثواب کے لئے ہو رہا ہے
چونکہ اس کا ایک حصہ سورۃ فاتحہ کا پڑھنا بھی ہے تو یہ اپنی برکت اور اجر و ثواب میں اتنی کامل
شئی ہے کہ اس کی وجہ سے پورے کے پورے عمل کو فاتحہ کا نام دے دیا جاتا ہے۔

اب یہاں میرا غرض ہے۔ میں سمجھتا ہوں چونکہ بات آگئی اور اس مسئلہ پر افراط و تفریط پایا جاتا ہے اور زیادتیاں پائی جاتی ہیں اور یہ بات چونکہ اس حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالے سے آگئی تو میں ضروری سمجھتا ہوں کہ اس کی اصل شکل اور مسئلہ کی اصل نوعیت کی تھوڑی سی وضاحت کرتا چلوں۔ یہ ایصالِ ثواب کیا شئے ہے؟ میں عرض کر چکا کہ ایک شخص کوئی عمل کرے اور اس نیت سے کرے کہ دوسرے شخص کو بھی اُس کے ثواب میں شریک کیا جائے اور اس کے ساتھ ساتھ یہ ثواب اور اس کا فائدہ اور اس کی برکت دوسرے کو بھی پہنچے تو جب وہ اس نیت سے کرتا ہے بعد میں خواہ ہاتھ اٹھا کر اس کے لئے دعا کرے اور خواہ نہ بھی کی ہو۔ چونکہ اُس نے نیت اس کے لئے کی تو اللہ جلّ مجدہٗ اس ثواب میں اس دوسرے شخص کو شریک فرما دیتا ہے اور اس نیک عمل خواہ وہ تلاوت قرآن پاک ہے، خواہ وہ نوافل ہیں، نمازیں ہیں، خواہ وہ نفلی حج یا صدقات ہیں، خواہ وہ قربانیاں ہیں، خواہ وہ دیگر اعمال صالحہ ہیں، بدنی ہیں، مالی ہیں، جانی ہیں، ان کے ثواب سے اللہ رب العزت زندوں کو بھی جن کو وہ شریک کرنا چاہے اور مُردوں کو بھی جو فوت ہو چکے اُن تک وہ ثواب پہنچا دیتا ہے۔ بغیر اس کے کہ عمل کرنے والے کے اجر میں کوئی کمی واقع ہوئی۔ اس کے اجر میں ذرہ بھر کمی نہیں ہوتی۔ اس کا اجر تام رہتا ہے کامل رہتا ہے اور ان کو بھی شریک کر لیتا ہے کیوں کہ یہ اُس بندے کا عمل تھا کہ اُس نے اپنا عمل کیا اور یہ اُس کا ایثار ہے کہ عمل اپنا کیا محنت خود کی، خرچ خود کیا، تگ و دَو خود کی لیکن یہ اس کی سخا اور اس کا ایثار ہے کہ اس سے فائدہ اُس نے اپنے دوسرے مسلمان بھائی کو پہنچانا چاہا۔ یہ بندے کا عمل ہے اب جب اس کو فائدہ پہنچانا چاہا تو گویا اس نے درخواست کی کہ باری تعالےٰ یہ جو میں نے نیک کام کیا اس کا ثواب میرے فلاں مسلمان بھائی کو پہنچا دے، میرے والدین کو پہنچا دے، میرے مشائخ کو پہنچا دے، اساتذہ کو پہنچا دے حتیٰ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ اقدس تک پہنچا دے۔ اولیائے صلحا کو پہنچا دے، اپنے دیگر بھائیوں کو پہنچا دے اپنی اولاد کو پہنچانا چاہا جس کو بھی چاہا اس نے ایثار کیا۔ اُس نے سخاوت کا عمل کیا۔ اس نے بخل نہیں کیا کہ اپنے عمل کا اَجر اپنے تک محدود رکھے بلکہ اس نے سخاوت، ایثار کا کام کیا کہ اپنے عمل کے اَجر میں دوسروں کو بھی شریک کر لیا۔ یہ اس کا عمل تھا لیکن اللہ جلّ مجدہٗ

عمل [illegible] ہے [illegible] جب بندہ [illegible] اپنا عمل [illegible] دوسروں کے لئے نثار کر رہا ہے تو میں تو رب ہوں میرے خزانے میں کیا کمی ہے۔ جا تیرے ایثار کو دیکھ کر میں نے یہ فیصلہ کیا کہ جو عمل تو نے کیا اس کا ثواب تو بھی سارا لے جا اُس کو بھی سارا دیتا ہوں۔ اور اگر لاکھ کو شریک کر لے تو لاکھوں کو عطا کر دوں گا۔ اس کے خزانے میں تو کمی ہی کوئی نہیں یعنی آپ اپنے دائرے کو جتنا بڑھاتے چلے جائیں گے آپ کا ایثار اور حوصلہ اتنا وسیع ہوتا چلا جائے گا۔ اور بندے کا حوصلہ اور ایثار جتنا وسیع ہو۔ رب العزت اتنا خوش ہوتا ہے۔ تو ایصالِ ثواب میں جو اصل مسئلہ ہے جو اصل نقطہ ہے بنیادی مادہ یہ ہے کہ کیا آپ کے عمل کا فائدہ دوسرے کو پہنچ سکتا ہے یا نہیں؟ قرآنِ مجید کی ایک آیت کریمہ ہے "لیس للانسان الاماسعا"[1] کہ انسان کے لئے کچھ نہیں سوائے اس کے جو اس نے عمل کیا۔ اس آیت کریمہ کا صحیح مفہوم بعض اوقات ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔ اس وجہ سے مغالطہ لاحق ہو جاتا ہے اور ہم یہ سمجھ بیٹھتے ہیں کہ ایک شخص کے عمل کا فائدہ دوسرے کو کس طرح پہنچ سکتا ہے۔ یہاں سے اُلجھن پیدا ہوتی ہے اس حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس تصور کو واضح کر دیا اور بھی بہت ساری احادیث ہیں کہ ایک کے عمل کا فائدہ دوسرے کو پہنچتا ہے اس تصور کو سمجھنے کے لئے آغاز آپ مسئلہ دعا سے کریں۔ آپ جب دُعا کرتے ہیں تو حکم کیا ہے کہ دعا فقط اپنے لئے کریں یا اپنے مسلمان بھائیوں کے لئے بھی کریں۔ لو لیجئے! مسلمان بھائیوں کے لئے بھی دعا کرنے کا حکم ہے تو جب آپ نے مسلمان بھائیوں کو دعا میں شریک کیا تو دعا کس کا عمل ہے؟ آپ کا عمل ہے اور دعا عبادت ہے بلکہ مغز عبادت ہے۔[2] الدعاء مخ العبادۃ ـ الحدیث دعا عبادت کا مغز ہے۔ تو دعا ایک عبادت ہے بلکہ عبادت کا نچوڑ ہے اور ایک خود نیک عمل ہے۔ دعا ایک عمل صالح ہے تو دعا آپ نے کی یعنی عمل صالح آپ نے کیا۔ جن کے لئے کر رہے ہیں، ممکن ہے ان کو خبر ہی نہ ہو۔ لیکن آپ کی دعا کا فائدہ ان کو پہنچا یا نہ پہنچا۔ اگر نہیں پہنچا تو پھر ان کو دعا میں شامل کرنے کا مقصد ہی کوئی نہیں اور اگر پہنچتا ہے تو پھر پتہ چل گیا کہ ایک

[1] سورۃ نجم

[2] بخاری شریف

[illegible] پہنچا ہے۔ یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت کے لئے اللہ جل مجدہٗ نے اپنے لطف و کرم کو عام کرنے کی صورت پیدا فرما دی۔ بلکہ حکم دیا۔[1] حدیث پاک میں ہے سیدنا علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ دعا کر رہے ہیں اور عرض کر رہے ہیں کہ اَللّٰھُمَّ ارْحَمْنِیْ اے اللہ مجھ پر رحم فرما۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام قریب سے گزرے۔ آپؐ نے حضرت علی کرم اللہ وجہٗ الکریم کے یہ دعائیہ کلمات سُنے اور از راہِ شفقت کندھے پر تھپکی دی۔ تھپکی دے کر فرمانے لگے علیؓ، اللہ کی عام رحمت کو خاص کیوں کرتا ہے۔ اس کی اتنی وسیع رحمت کو صرف اپنے لئے کیوں محدود کرتا ہے، باقیوں کے لئے بھی مانگ کیونکہ "اِنَّ بَیْنَ الامور والخصوص کما بَیْنَ السماء والارض" کہ عام اور خاص دعا میں اتنا فرق ہے کہ جس طرح آسمان اور زمین کا فرق ہے۔ اگر اپنے لئے تنہا مانگو گے تو گویا اللہ کی رحمت میں سے تھوڑا مانگ رہے ہو اور اگر باقیوں کے لئے بھی مانگو گے تو تمہیں تو ملے گا ہی لیکن اوروں کو بھی اتنا ہی مل جائے گا۔ اور اوروں کے لئے جو تو نے مانگا تو اس عمل سے خوش ہو کر رب ذوالجلال نے تمہیں بھی زیادہ عطا فرما دیا۔ یعنی آپ نے گویا جب دوسروں کے لئے دعا کی تو دو عمل بن گئے۔ ایک دعا کا عمل، ایک سخا کا عمل جب دوسروں کو شامل کیا۔ آپ نے اپنے عمل میں اجر و ثواب ہیں اور دعائیں۔

میں آپ کو چند بنیادی چیزیں سمجھانا چاہتا ہوں تو یہ دو عمل ہو گئے۔ ایک دعا کا عمل اور ایک سخا کا۔ عمل دعا تو ویسے بھی اللہ پاک قبول فرمانے والا ہے لیکن جب آپ نے دوسروں کو شامل کر لیا تو اس ایثار و سخا کے عمل پر اللہ مین ممکن ہے کہ آپ پر عطاؤں کو اور بڑھا دے اور بے شک ایسا ہوتا ہے[2] حدیث پاک میں آدابِ دعا میں سے یہ بھی آیا ہے کہ جو شخص چاہتا ہے کہ میری دعائیں زیادہ قبول ہوں اسے چاہیے کہ مسلمان بھائی کے لئے زیادہ دعا کرے اور آپ نماز کے اختتام پر دعا پڑھتے ہیں۔ رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوۃِ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ ۝ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ ۝ رَبَّنَا اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ ۝ اے میرے رب مجھے معاف کر دے یہ تو آپ نے نماز پڑھی، عمل کیا، دعا مانگی، اپنے لئے سب کچھ کیا تو اپنی مغفرت کی دعا مانگی۔ لیکن اب "وَلِوَالِدَیَّ"

[1] بخاری شریف   [2] بخاری شریف

میرے والدین کو بھی بخش دے ۔ اب یہ جو عمل اس وقت بیٹھے آپ کر رہے ہیں نماز میں دعا کا آپ کے والدین کو تو اس کا علم بھی نہیں ہے ۔ یہ عمل آپ کا ہے' ان کا تو نہیں ہے اور اگر یہ خیال آئے کہ اولاد بھی والدین کی کمائی ہوتی ہے تو اولاد کا عمل بھی بالواسطہ والدین ہی کا عمل ہے کہ انہوں نے اس راہ پر لگایا تو آگے الفاظ ہیں " وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ " ۔ قیامت تک جتنے میرے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اُمت کے مسلمان ہیں' سب کو بخش دے ۔ قیامت تک امت مصطفوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے جتنے مؤمن ہیں ۔ یہاں ان کو دعا کا سلیقہ بھی سکھایا جا رہا ہے کہ آپ کی دعاؤں کا دامن اتنا وسیع ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پوری امت پر حاوی ہو ۔ یہ ہے ایمان کا شیوہ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پوری اُمت کا بھلا سوچا جا رہا ہے ۔ وفاداریاں محبتیں تنگ نہیں ہونی چاہیں ۔ اُسی طرح وسیع ہونی چاہیں جس طرح حضورؐ کی امت وسیع ہے ۔ اُن کا دین وسیع ہے ۔ جس شخص کا ظرف اور جس کا ایثار اور جس کی بہی خواہی اور نفع بخشی اور جس کی محبتیں اور مؤدتیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دین کی طرح حضورؐ کی اُمت کی طرح وسیع سے وسیع تر ہوتی چلی جائیں گی ۔ اس پر اللہ کی رحمتیں بھی وسیع سے وسیع تر ہوتی چلی جائیں گی ۔

تو آپ اپنے عمل کی صورت میں جب دعا کرتے ہیں کہ قیامت تک کے سارے مؤمنوں کو بخش دے تو جو فوت ہو چکے وہ بھی آ گئے اور جو ابھی پیدا نہیں ہوئے وہ بھی آ گئے تو آپ کے اس عمل دعا سے ان فوت شدگان کو اور قیامت تک بعد میں پیدا ہونے والے اہلِ ایمان کو فائدہ پہنچتا ہے یا نہیں پہنچتا ؟ اگر نہیں پہنچتا تو معاذ اللہ ۔ یہ دعا عبث ہو گئی اور قرآنِ مجید نے اس کو تلقین کیا ہے اور معاذ اللہ قرآنِ مجید کی تلقین بے فائدہ' بے مقصد ہو گئی ۔ یہ کفر ہے ۔ نہیں ہو سکتا ۔ اگر فائدہ نہ پہنچے جو فوت ہو چکے مومن اُن کو اور جو ابھی پیدا ہی نہیں ہوئے اُن کو ۔ اگر آپ کے عملِ دعا کا فائدہ نہ پہنچے اُن کو تو دعا عبث ہو گئی اور اگر پہنچتا ہے تو جب اللہ جلّ مجدہٗ نے ہر نماز کے اندر اس سبق کو عطا کیا ہے کہ تم مانگا کرو تمہارے عمل کا فائدہ انہیں بھی پہنچتا ہے تو پھر نماز سے خارج کیا ہوا ۔ تو یہ تصور سورۃ فاتحہ کی برکات کے ضمن میں بزرگانِ دین نے اور حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے عطا کیا اس سے آگے آپ نمازِ جنازہ ہی کو لے لیجئے نمازِ جنازہ زندہ پڑھتے ہیں میت کے لئے ۔ میت تو فوت ہو چکا وہ شخص تو فوت ہو چکا اب بصورتِ میت آپ کے سامنے ہے اور جو زندہ ہیں' اعزا' اقارب بھی اور غیر متعلق لوگ مسلمان بھی وہ نمازِ جنازہ پڑھ رہے ہے

ہیں۔ اِن کی مغفرت کے لئے۔ تو جب آپ نمازِ جنازہ پڑھتے ہیں اور دعائیں پڑھتے ہیں تو آپ کی دعاؤں اور نمازِ جنازہ کے پڑھنے سے اِس میّت کو فائدہ پہنچتا ہے یا نہیں؟ اگر نہ پہنچے تو نمازِ جنازہ پڑھنا ہی عبث ہو گیا بے معنی ہو گیا اور اگر پہنچتا ہے تو پھر کیا معلوم ہوا کہ عمل تو آپ کا ہے وہ تو چارپائی پر میّت پڑا ہوا ہے عمل آپ کا ہے اور فائدہ اُسے پہنچ رہا ہے تو گویا شریعت مطہرہ نے اصول ہی یہ عطا کیا ہے کہ آپ عمل فقط اپنے لئے کریں آپ کو فائدہ پہنچے گا اور اپنے ساتھ اس کے اجر و ثواب اور نفع میں دوسروں کو بھی شریک کرنا چاہیں خواہ فوت شدگان ہوں، خواہ زندہ ہوں، خواہ آنے والے ہوں تو اللہ پاک ان کو بھی عطا کرتا ہے اس کے خزانے میں کوئی کمی نہیں۔

چنانچہ قرآنِ مجید نے اس تصور کی وضاحت کی، ارشاد فرمایا گیا سورۃ نساءٌ میں[1] اِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰی وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝ کہ جب کوئی فوت ہو جائے اور اس کے مالِ وراثت کی تقسیم کا وقت ہو۔ مالِ وراثت کے حقدار کون ہوتے ہیں؟ ورثاء ہوتے ہیں نا۔ اور یتیموں اور مسکینوں کے لئے تو نہیں ہوتا۔ بنیادی طور پر قرآنِ مجید نے فرمایا اِذَا حَضَرَ......... قولاً معروفا۔ کہ جب مالِ وراثت کی تقسیم کا وقت ہو اور موجود ہوں قریبی رشتہ دار جو وارث ہیں اور یتیمی بھی اور غریب اور مسکین اور فقراء بھی آجائیں تو کیا کرو؟ ان یتیمی، غربا اور مساکین کو فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ۔ اِس مال میں سے اُن کو بھی کھلاؤ، اُن کو بھی دو اور اُن کو بھی خیرات کرو۔ اُن پر بھی صدقہ کرو۔ مِنْهُ۔ اس مال میں سے وَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا۔ اور ان کے ساتھ بھلی بات کہو کیوں؟ عین اس وقت اس موقعہ پر حکم کیوں دیا؟ اِس لئے کہ مال تو زندگی بھر اس مرنے والے نے کمایا محنت کر کے۔ کما کما کے چل دیا تو اس کو کیا ملا۔ اب ورثاء اکٹھے ہو گئے اور انہوں نے مل کر بانٹ کر لی اپنے اپنے حصہ تناسب کے مطابق حصہ لے لیا اور چل دیئے۔ اِس مال سے اس مرنے والے کو کیا ملا۔ اگر وہ زندہ ہوتا تو اس سے فائدہ اٹھاتا۔ اب جو مال چھوڑ کر مر گیا تو ورثا اپنا اپنا حصہ لے کر گھر کو سدھارے ہوئے۔ اس کے مال کا اس مرنے والے کو کیا فائدہ پہنچا۔ اگر مالِ وراثت سے فائدہ اٹھاؤ تو تمہیں فائدہ پہنچے گا اور اگر اس کے مال سے صدقہ، خیرات کرو گے تو ثواب کی صورت میں مرنے والے کو فائدہ پہنچے گا۔

[1] سورۃ نساء آیت ۸

[illegible] پہنچے گا۔ جس کا حال تھا۔ ﴿وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوفًا﴾ قرآن مجید اس تصور کی تفصیل فرما رہا ہے، وضاحت فرما رہا ہے اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں کثرت کے ساتھ اس کی وضاحتیں آئی ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بارگاہ میں ایک اصحابیؓ (اور ایک روایت کے مطابق اصحابیہؓ) اور انہوں نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، کیا میں اپنے والد کی طرف سے حج کر سکتا ہوں؟ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ فقط اتنی بات سے بھی جواب ممکن تھا کہ ہاں، کر سکتے ہو۔ سوال کا جواب تو کافی ہے نا! لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواب بھی دیا اور ساتھ دلیل بھی دی تاکہ نقطہ سمجھ میں آجائے۔ فرمایا ہاں! کر سکتے ہو۔ والد کی طرف سے۔ دلیل یہ دی کہ اگر تمہارا والد قرض چھوڑ کے مر جاتا۔ اس کے ذمے قرض ہوتا اور وہ قرض ادا کئے بغیر مر جاتا تو تم اپنے والد کی طرف سے قرض ادا کرتے یا نہ کرتے۔ اس نے جواب دیا حضورؐ کرتا۔ تو فرمایا جب کسی شخص کا قرض اس کی طرف سے ادا کرتے تو ادا ہو جاتا تو حج تو رب کا قرض تھا اگر اس کو ادا کر دو گے تو کیوں ادا نہیں ہوگا۔ اس لئے بطریق اولیٰ والد کی طرف سے کرو۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دلیل مرحمت فرمائی۔ صحیح بخاری، مسلم، صحاح ستہ میں چودہ سے بھی زیادہ احادیث اس نوعیت کے مضامین کی موجود ہیں۔

اور پھر ایک مرتبہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہِ اقدس میں ایک صحابی آئے۔ ان کا نام ہے حضرت سعیدؓ میں آپ کو اصل تصور سمجھا رہا ہوں تاکہ پورے طور پر یہ عمل بھی ایصالِ ثواب کے لئے جو کیا جاتا ہے یا کیا جاتے۔ سنیئے وہ فقط اللہ کے لئے کیا جانا چاہیئے۔ ہر عبادت صرف اللہ کے لئے ہے۔ ہر عمل فقط اللہ کے لئے ہے۔ ہر نذر صرف اللہ کے لئے، ہر نیاز اللہ کے لئے، سب کچھ اللہ کی رضا اور اللہ کی خوشنودی کے لئے کیا جائے اور اللہ ہی کی بارگاہ کے تقرب کے لئے کیا جاتا ہے۔ یہ بات آپ سمجھ گئے۔ ایصالِ ثواب کا مفہوم فقط یہ ہے کہ جب آپ اللہ کی رضا کے لئے ایک عمل کرتے ہیں اور نیت یہ رکھتے ہیں کہ اس کا ثواب فلاں فلاں کو پہنچے یا اس کے ثواب میں فلاں فلاں شریک ہوں۔ خواہ وہ آپ کی اولاد ہے، خواہ دوست اور بھائی ہیں، خواہ والدین ہیں، خواہ اساتذہ اور مشائخ ہیں خواہ بزرگانِ دین ہیں، خواہ آپ کے اولیاءؒ، صلحاءؒ ہیں خواہ انبیاء ہیں۔ جس جس تک ثواب پہنچانے کے لئے نیت آپ کریں گے۔ اس اس تک ثواب اللہ پاک پہنچاتے ہیں۔ تو جب آپ پہنچاتے ہیں۔ نیت ثواب کی کر دی تو اس ایصالِ ثواب کی نسبت سے اس عمل کو اس کی طرف

ے مسلم شریف

منسوب کرنا جائز ہے۔ ایصالِ ثواب کی نیّت سے اس کی طرف منسوب کرنا، اس کا نام لینا جائز لیکن اس نیّت سے نہیں کہ یہ عمل، یہ نذر، یہ عبادت اس کے لئے کی جا رہی ہے۔ تقرباً اللہ کے لئے اور ثواباً ایصالاً اس اللہ کے بندے کے لئے جس کو آپ شامل کرنا چاہتے ہیں۔ اِس وقت جہالت کی وجہ سے ہم صحیح راہ سے ڈگمگا کے کبھی اِدھر اور کبھی اُدھر جھک جاتے ہیں۔

حدیث پاک میں ہے[1] حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحابی حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے اور عرض کیا حضورؐ میری والدہ کا وصال ہو گیا اور انہیں موقع نہ ملا۔ اگر زندہ رہتیں تو یقیناً کوئی وصیت فرماتیں۔ اب میں خدمت کرنا چاہتا ہوں والدہ کی بعد از وفات خدمت کرنا چاہتا ہوں۔ فرمائیے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! میں کیا کروں؟ حدیث پاک میں ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، اُس وقت پانی کی بڑی قلت تھی مسلمانوں کو۔ آپ کو معلوم ہے دُور دُور سے پانی بھر کر لاتے تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ تم ایک کنواں کھدواؤ اور اپنی ماں کے نام وقف کر دو۔ اور بئرِ اُمِّ سعد نام رکھا گیا کہ سعدؓ کی ماں کا کنواں یعنی نام بھی منسوب کر دیا گیا مقصد مدعا کیا تھا کہ یہ کنواں جو صدقہ کیا گیا اس کا پانی اللہ کے لئے، اللہ کی خاطر یہ اس لئے کیا گیا تاکہ اس وقف اس صدقہ، اس خیرات کا ثواب میری والدہ کو پہنچے۔ اس نسبت سے اس کا نام منسوب ہو گیا۔

چنانچہ حدیث پاک میں ہے کہ کنواں کھدوایا اور اپنی والدہ کے نام منسوب کیا۔

حتیٰ کہ ایک[2] روایت میں آتا ہے کہ ایک صحابیؓ جانے لگے عراق کی طرف ایک مسجد ہے "مسجد عشار"۔ ایک اصحابیؓ پوچھنے لگے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس مسجد کی فضیلت بیان فرمائی کہ جو شخص اس مسجد میں دو رکعت نمازِ نفل ادا کرے گا۔ قیامت کے دن وہ شہدائے بدر یا شہدائے احد کے پہلو میں کھڑا کیا جائے گا۔ اتنی فضیلت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُس مسجد میں نماز پڑھنے کی فرمائی جب کچھ لوگ جانے لگے۔ حضرت ابوہریرہؓ بولے۔ جلیل القدر صحابی اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مکتب کے بہت بڑے شاگرد اور محدث۔ وہ بولے کہ تم میں سے کوئی ہے جو جا کر وہاں دو رکعت نمازِ نفل ادا کرے اور کہے **ھذا لِابی ھُریرۃ** یہ نماز ابوہریرہ کے لئے ہے۔ اب نماز کس کے لئے ہوتی ہے اللہ کے لئے لیکن یہاں فرمایا ابوہریرہ کے لئے۔ تو "کے لئے" کے بھی دو معنی ہو گئے۔ عبادتاً اللہ کے

---

[1] بخاری شریف [2] مسلم، ترمذی، نسائی

لئے اور ثواباً اللہ کے بندے کے لئے ابو ہریرہؓ کے لئے ۔ اور اب یہ مغالطہ ہو جاتا ہے نام لینے کی وجہ سے تو نام عباداً اللہ کے لئے ثواباً اللہ کے بندوں کے لئے ۔ تو پھر حضرت ابو ہریرہؓ نے تلقین فرمائی ۔

اور اب ان تمام چیزوں سے بڑھ کر اس موضوع کو ختم کرتے ہوئے آگے بڑھنا چاہتا ہوں میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اپنا عمل مبارک عرض کرتا ہوں ۔ عمر بھر دس برس کی مدینہ کی زندگی میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ معمول تھا کہ آپ دو قربانیاں کرتے تھے ۔ ایک قربانی اپنی اور اپنے اہل بیتؓ کی طرف سے اور ایک قربانی کرتے وقت عرض کرتے " اَللّٰھُمَّ تَقَبَّلْ ھٰذِہٖ لِاُمَّتِ مُحَمَّدٍ " کہ باری تعالیٰ یہ دوسری قربانی میں اپنی امت کی طرف سے کر رہا ہوں ۔

تو دوستو ! حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جو ہم پر احسان ہے بلکہ جو احسانات ہیں ہم تو ان احسانات کا شعور بھی حاصل نہیں کر سکتے ۔ اس میں سے ایک احسان کا بدلہ چکانا تو درکنار اگر ہمارا یہ تن اور بدن کٹ جائے ، پُرزے پُرزے ہو جائے ۔ دین کی خدمت میں ہم لٹ جائیں ۔ تن من دھن سب کچھ لٹا دیں ۔ عزت ، آبرو گنوا دیں اور ختم بھی ہو جائیں ۔ تو مر مٹ کر بھی حضورؐ کے احسان میں سے ایک احسان کا بدلہ بھی ادا نہیں ہو سکتا ۔ کتنے احسانات ہیں اس امت پر ۔ ہم تو احسان کا شعور بھی حاصل نہیں کر سکتے ۔ وہ احسان بہت بلند ہے ۔ ہم تو اس قابل ہی نہیں کہ اس احسان کا بدلہ چکا سکیں ۔

وہ قربانیوں میں بھی امت کو نہ بھولے اور عمر بھر ایک قربانی امت کی طرف سے کرتے رہے تو امت کا کم سے کم اتنا حق تو بنتا ہے کہ وہ جب بھی عمل صالح کرے اور صدقہ ، خیرات کرے ، قربانی کرے وہ بھی اپنے نبی کو نہ بھولے ۔ تو وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے بھی کرے ۔ تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عمر بھر قربانی کا عمل یہ نذر و نیاز اللہ کی ، امت کی طرف سے کی اور پھر مشکوٰۃ المصابیح یہ کتاب وہ ہے جس میں قربانی کا باب ہے ۔ اس کو دیکھئے ۔ احادیث موجود ہیں پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تلقین فرمائی اور فرمایا اے علیؓ میرا عمل تیرے سامنے ہے تمہیں نصیحت کرتا ہوں اور وصیت کرتا ہوں کہ تم بھی آخر عمر تک زندگی بھر دو قربانیاں کرنا ۔ ایک میری طرف سے کرتے رہنا ۔ ایک اپنی طرف سے کرتے رہنا ۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی دو قربانیاں کرتے تھے ۔ ایک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے ۔ گویا یہ کسی کے لئے عمل کرنا ثواب

[illegible]

اور اس میں ایثار اور سخاوت ہے۔ اللہ رب العزت اس ایثار و سخاوت کے عمل سے خوش ہوتے ہیں۔ تو ہمیں چاہیے کہ ہم ایثار اور سخاوت اور نیک اعمال کے باب میں بھی کچھ کیا کریں۔ اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ آپ غرباء کو کپڑے تقسیم کر سکتے ہیں۔ ان کو پیسے دے سکتے ہیں۔ کھانا پکا کر دے سکتے ہیں۔ گوشت دے سکتے ہیں جو چاہیں آپ اللہ کے لئے صدقہ خیرات کر سکتے ہیں۔ بس نیت فقط یہ ہو کہ جو کچھ آپ کر رہے ہیں اے اللہ! اس کا ثواب فلاں فلاں کو جس کو اس میں شریک کریں یا فلاں فلاں کو پہنچا دے یا فلاں فلاں کی طرف سے "من امتِ محمد" کی طرح میں فلاں کی طرف سے کر رہا ہوں۔ بس آپ کی نیت ہوئی اور قبول فرمانے والا اللہ ہے۔

بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ آپ کے لئے بھی اس عمل کی قبولیت کی شرط بن گئی۔ عمل کی قبولیت کے لئے لازمی ہو گیا کہ جو شخص اپنا عمل کر کے دوسرے کو دے رہا ہے۔ ثواب کے لئے اللہ پاک اتنا کریم، سخی ہے اس کو بھی اتنا دے گا۔ بلکہ اس میں ایک اور نقطہ ہے کہ جب آپ اعمال صالحہ صدقات، خیرات کریں تو انبیاء، صلحاء کو ثواب میں شریک کیا کریں کہ جب آپ اس کے اجر و ثواب میں اللہ کے نیک مقرب و محبوب بندوں کو شریک کر لیں گے۔ اب خدا جانے ہم اپنے گناہوں، اپنی بدبختیوں کے باعث اس قابل تھے یا نہ تھے لیکن ان نیکوں کا رب کو حیا آجاتا ہے اور وہ ان کی خاطر آپ کے عمل کو بھی شرفِ قبولیت عطا فرماتا ہے اور اگر کوئی کمی رہ جائے تو اس پر بھی اللہ پاک پردہ ڈال دیتا ہے۔ یہ آپ کے عملِ سخا کا نتیجہ ہے۔ اور عمل ایثار کا نتیجہ ہے۔

اس میں تاریخوں کا تعین، شرعی تعین نہیں ہوتا۔ اگر آپ کے ذہن میں یہ خیال ہو کہ فلاں مقرر تاریخ پر ایصالِ ثواب اور صدقہ خیرات کریں گے تو ثواب پہنچے گا اور تاریخ سے آگے پیچھے ہو گیا تو ثواب گیا۔ بعض احباب عدمِ علم کی وجہ سے ایسا گمان اگر کریں تو یہ تصور غلط ہے۔ میں یہ تو نہیں کہہ رہا کہ کوئی ایسا گمان کرتا ہے یا نہیں کرتا لیکن مسئلہ سمجھا رہا ہوں۔ تاریخ کا تعین شرعی تعین نہیں ہے۔ یہ محض سہولت کے لئے ہے کہ جب تاریخ ایک انسان مقرر کر لیتا ہے تو مقررہ تاریخ پر عمل یاد آتا رہتا ہے اور مداومت ہو جاتی ہے۔ پابندی ہو جاتی ہے اور تاریخ مقرر نہ ہو تو کئی بار غفلت میں چھوٹ جاتا ہے۔ فقط سہولت کے لئے ورنہ جس وقت بھی کریں اللہ رب العزت کی بارگاہ میں قبول ہے اور یہ تعین سہولت کا تعین

[illegible]
کا دوسرا اتوار یہاں ہوگا - پہلا اتوار لاہور میں ہوگا - آخری اتوار کراچی میں ہوگا - یہ تعین سہولت کے لئے ہے اور دنیا کا کوئی فرد سہولت کا تعین کئے بغیر نہیں رہ سکتا - ہر کام کے لئے تعین ہوتا ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سُنت ہے سہولت کے لئے تعین کرنا -

صحیح مُسلم میں حدیث آتی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہر سنیچر کو آپ نے ہفتہ کا دن مقرر کر رکھا تھا ہر سنیچر کو کبھی پیدل اور کبھی سوار مسجد قبا تشریف لے جاتے اور دو رکعت نماز نفل ادا کرتے تھے کوئی دن بھی ہو سکتے تھے لیکن بعض دفعہ مقرر کیا تاکہ عادت رہے پابندی رہے - تو یہ نہ سوچیں کہ تاریخ آگے ہو گئی - دو دن پیچھے ہو گئی تو اس سے ثواب نہیں پہنچے گا - نہیں، ثواب میں کوئی کمی نہیں ہوگی لیکن جب کوئی دن طے ہی کرنا ہے تو بزرگانِ دین کے انتقال اور وصال کا دِن وہ پھر زیادہ بہتر ہے کہ وصال کا دن ہے - ہمارا تو موت کا دِن ہوتا ہے - موت ان پر بھی وارد ہوتی ہے - "کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَۃُ الْمَوْتِ" - وہاں مبارک ہوتی ہے - ہماری موت موت ہے - اُن کی موت وصال ہے - یعنی اُن کی موت محبوب سے ملنے کا دن ہے اور اس ملنے کے دِن جب ثواب کے لئے اعمال صالح کے ہدیے اور تحفے پیش ہوتے ہیں تو ان کی روحیں خوش ہوتی ہیں سو یہ افراط، تفریط اور یہ باتیں فرداً سب پر واجب نہیں ہیں - یہ ناجائز ہے کہ پیسے نہ ہوں تو تعاون حاصل کرتے پھریں کہ جو شخص فوت ہو جائے - اَب یہاں تک نوبت پہنچ چکی ہے بوجہ جہالت جو فوت ہو جائے - یتیم بچے اُس کے رہ جائیں کہ ناک نہ کٹ جائے سوسائٹی میں - اس ناک کے جھوٹے بھرم کو بچانے کے لئے ہم اس مرنے والے کے مالِ وراثت میں سے جن کے مالک جواب یتیم بچے ہیں، صدقہ خیرات کرتے ہیں اور خرچ کرتے ہیں - یہ ناجائز ہے - وہ یتیم ابھی نابالغ ہیں - وہ خود بالغ ہوتے تو اس مال کے مالک تھے - خود بے شک کرتے - اگر ہمیں شوق ہے تو اپنا مال ہمیں خرچ کرنا چاہیئے - ان یتیموں کے مال کا تصرف اس سمت بھی کرنے کی اجازت نہیں - وہ خود بالغ ہو تو سو بار کرے اور پھر ہم نے تو اس کو بدل کر ضیافتوں سے بدل دیا ہے -

تصور ایصالِ ثواب کا تھا - ہم نے اسے ضیافت سے بدل دیا - دعوت سے بدل دیا - اَب قُل خوانی کے کھانے کے لئے دعوت کے لئے کارڈ چھپوائے جاتے ہیں - دعوت نامے جاری کئے جاتے ہیں اور چالیسویں کے لئے دعوت نامے جاری کئے جاتے ہیں - اور سجایا جاتا ہے - لوگ باقاعدگی سے آتے ہیں اور پُر تکلف اہتمام ہوتے ہیں کھانوں کے - یہ سب کچھ حرام ہے - یہ اس تصور کی روح کو مجروح

[illegible]
کہ کوئی اِدھر کو بہکا جا رہا ہے، کوئی اُدھر کو چلا جا رہا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ نہ اصل تصور کی روح کا انکار کریں اور نہ اصل تصور کی روح کو مجروح ہونے دیں۔ اُسی وقت دین کو نقصان پہنچتا ہے جب ہم اس کے تصور کو اصل راہ سے عملاً ہٹا دیتے ہیں۔

تو میں نے عرض کیا کہ آپ تیسری تاریخ کو کریں۔ دسویں کو کریں۔ چالیسویں کو کریں۔ سالانہ کریں۔ جب چاہیں کریں شریعت میں کوئی پابندی نہیں۔ ایصالِ ثواب کی صورت میں جس دن چاہیں کریں تو شریعت نے منع نہیں فرمایا لیکن ایک بات میں نے یہ عرض کر دی کہ تعین، تعینِ شرعی نہ ہو۔ آگے پیچھے بھی ہو جائے سہولت کے لئے کوئی حرج نہیں۔ دوسرا یہ کہ ضیافتیں نہیں ہونی چاہئیں۔ یہ صدقہ و خیرات ہے۔ نفلی خیرات ہے۔ اس میں فقط غربا و مساکین ہی نہیں کھاتے، دوسرے مہمان آ جائیں۔ وہ بھی کھا سکتے ہیں چونکہ ان کے لئے بھی اطعام ہے اور اطعام خود عبادت ہے۔ اس کی شکل دعوت کی نہ ہو۔ یتیمی کے مال میں سے نہ ہو۔ اگر عاقل بالغ ہیں تو ان میں سے ہو یا دوسرے لوگ کریں۔

حاضرین! میں سورۃ فاتحہ کا نام "الکافیہ" کے حوالے سے یہ تصور واضح کر رہا تھا کہ یہ اجر و ثواب میں کافی ہے اور فاتحہ اور اعمالِ صالحہ جو اس طرح کیے جائیں اُن کا ثواب اس عمل کے مرتکب کو تو پہنچتا ہی ہے لیکن جس جس کے لئے ایصال کیا جائے اس کو بھی اللہ پاک عطا کرتا ہے۔

اس کے بعد سورۃ "وافیہ" اس کا نام ہے اور وافی وفا سے مشتق ہے۔ اس کا معنیٰ بھی ہے پورا کرنا اور پورا کرنے کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ سورۃ فاتحہ "وافیہ" بایں معنیٰ ہے کہ باقی ہر سورۃ جس کی چھ یا سات آیتیں ہوں آپ دو رکعتوں میں تین تین آیتیں آدھی آدھی کر کے پڑھ سکتے ہیں۔ کم سے کم تین آیتیں پڑھ سکتے ہیں لیکن سورۃ فاتحہ اس کی سات آیتیں ہیں لیکن اس کو آدھا آدھا نہیں پڑھ سکتے۔ اسے جب بھی پڑھیں گے، پورا پڑھیں گے۔ تاکہ اللہ پاک یہ چاہتے ہیں کہ اس کا اجر کامل ہو ادھورا نہ ملے آپ کو ملے، پورا ملے اور دوسرا مفہوم اجر و ثواب میں کامل ہونا۔ "کافیہ" کا ہم نوا بھی ہو سکتا ہے

اس کے بعد اس کا ایک نام جو حدیثِ پاک میں آیا وہ "سورۃ شفاء" ہے اور سورۃ شافیہ۔ یہ سورۃ عین شفاء ہے اور یہ سورۃ شفا دینے والی ہے اور اب "شفاء، شافیہ" شافی کیا ہے۔ شفاء دینے والی اللہ جل مجدہٗ نے اس سورۃ کو شفاء دینے والی سورۃ قرار دیا ہے جبکہ شفاء کون دیتا ہے؟ اللہ جل مجدہٗ

[illegible] عالم
باب میں اس سورۃ کے اندر اپنی شفاء رکھ دی ہے تو جو شئی کسی نتیجے کا باعث بن جائے تو مجازاً وہ عمل اور فعل اس کی طرف منسوب کر دیا جاتا ہے تو یہ سورۃ چونکہ شفاء کا باعث ہے۔ اس لئے حدیث پاک میں اسے "سورۃ الشفاء" یا سورۃ الشافیہ" کا نام دے دیا۔ اور حدیث میں آتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ دارمیؓ[1] اور بیہقیؓ[2] نے اسے روایت کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھ سے فرمایا۔ اے عبداللہ! کیا میں تمہیں قرآن مجید میں سب سے بہتر سورۃ کی خبر نہ دوں؟ برکت، تاثیر کے اعتبار سے سب سے بہتر سورۃ کی خبر نہ دوں؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ضرور خبر عطا فرمائیے۔ حضورؐ نے فرمایا تو سنیں۔ سب سے بہتر سورۃ قرآن مجید میں فاتحہ ہے۔ فاتحۃ الکتاب ہے اور پھر آپ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا "وَفِیْهَا شِفَاءٌ مِنْ كُلِّ دَاءٍ"۔ اس سورۃ میں ہر مرض کے لئے اللہ پاک نے شفاء رکھی ہے۔ اور[3] عبداللہ بن جابرؓ ہی سے روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا "فَاتِحَةُ الْكِتَابِ شِفَاءٌ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ اِلَّا السَّامَ" کہ سورۃ فاتحہ ہر شے کے لئے شفا ہے سوائے موت کے کہ یہ موت سے نہیں بچاتی باقی ہر شے سے بچا دیتی ہے۔ اور سعید[4] بن منصور روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: "فَاتِحَةُ الْكِتَابِ شِفَاءٌ مِنَ السَّمِّ" کہ فاتحہ الکتاب زہر کا بھی تریاق ہے اور یہ بات فقط کہنے کو نہ تھی یہ فقط تصوراتی (Theory) نہیں ہے بلکہ صحابہ کرام کی زندگی میں پریکٹس تھی۔ اس کی پریکٹس بھی تھی آج کا مادی ذہن خواہ وہ فقط مادیت کی یلغار میں بہا جا رہا ہو یا ہو مذہبی ذہن۔ لیکن مذہب کی مادی توجیح کر کر کے مادیت زدہ ہو چکا ہو۔ وہ شاید اس تصور کو سمجھنے سے قاصر ہو کہ امراض کی شفاء سورہ فاتحہ سے کس طرح ہو گئی اور زہر سے شفاء سورۃ کے پڑھنے سے کس طرح ہو گئی۔

حضراتِ مکرم! اسی تصور کو سمجھنے کی ضرورت ہے یہ خیالات اس لئے ہمارے ذہنوں میں آتے ہیں کہ ہم دین کو مادی پیمانوں پر پرکھنے کے عادی ہو گئے ہیں۔ ہم نے دین کی مادی توجیہات کرنا شروع کر دی ہیں۔ یہ عقل مادی جس کو سمجھتی ہے ہم قبول کر لیتے ہیں۔ جسے سمجھنے سے عقل قاصر ہے ہم اس

[1] دارمیؓ نے مسند [2] بیہقیؓ نے شعب الایمان [3] خلعیؓ نے الفوائد میں [4] بیہقیؓ شعب الایمان

[illegible] عقل کا [illegible] نہیں کرتا۔ عقل کی تو حد بندیاں ہیں۔ وہ ایک حد تک تو سمجھاتی ہے۔ بات کو سمجھتی ہے لیکن جہاں وہ خود نہ سمجھ سکے تو آپ کو سمجھائے گی کیا؟

سو اِس سورۃ فاتحہ اور آیاتِ قرآنی سے امراض کا علاج ہو جانا شفا یابی ہو جانا فقط حکمِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہی نہ تھا کہ محض برکت کے لئے اس پر اعتقاد رکھا جائے بلکہ اعتقاد اس وقت تک اعتقاد نہیں ہوتا جب تک اس کی عملی واقعیت پر یقین پختہ نہ ہو جائے۔ اس وقت ہمارے اعتقاد کا ایوان متزلزل ہو چکا ہے۔ بہت سی ایسی باتیں ہیں جن پر ہمارے ذہن تشکیک کا شکار رہوتے ہیں۔ ہمارے قلب و باطن میں الجھنیں ہوتی ہیں لیکن ہم حیاً وہ باتیں زبان پر نہیں لاتے لیکن اگر ہمارے قلب و دماغ کا تجزیہ کیا جائے تو بہت سے معاملات میں ہم تشکیک اور التباس کا شکار نظر آتے ہیں۔ ہمارا ایوانِ اعتقاد اس لئے متزلزل ہو چکا ہے کہ قرآن و حدیث اور اسلام فقط تصوّرات و نظریات کا مجموعہ بن کر رہ گئے ہیں جبکہ امر واقع یہ ہے کہ اسلام فقط تھیوری نہیں بلکہ پرفیکٹ پریکٹس (Perfect Practice) کا نام ہے۔ اسلام کی اُس وقت تک سمجھ نہیں آسکتی جب تک اسلام کے ہر تصوّر کو من پر وارد نہ کیا جائے۔ ایمان کی برکتوں کا اندازہ اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک ایمان کی کیفیات کو روح کے اُوپر وارد نہ کیا جائے۔ اللہ کے ساتھ تعلق کا فہم اُس وقت تک نصیب نہیں ہو سکتا جب تک تعلق باللہ کے سمندر میں غوطے نہ لگائے جائیں۔ خدا کی محبت و معرفت کی کیفیت اس وقت تک نہیں سمجھ میں آسکتی۔ اس کے تعلق کی کیفیت کو سمجھنا یہ نہ حواس کا کام ہے نہ عقل و خرد کا کام ہے، نہ فہم و فراست کا کام ہے۔ یہ تو اس کو سمجھ آتی ہے جو صاحبِ دل ہو۔ جس کا دل اس کی محبت کی لہروں میں غوطہ زن ہو۔ اُس کی معرفت کے سمندروں میں غوطہ زن ہو۔ کبھی ڈوبے، کبھی تیرے۔ ڈوب تیر کر جب ساحلِ مراد کو پہنچے تو سمجھ آتی ہے کہ تعلق باللہ کیا ہے؟

ایک اُستاد عمر بھر پیراکی کا فن پڑھاتا رہتا ہے۔ طلباء کو پیراکی کا فن پڑھاتا رہتا ہے۔ ہزار ہا کتابیں لکھی گئیں پیراکی پر، تیرنے کے اصولوں پر، تیرنے کے ضوابط پہ آپ ہزار ہا کتابوں کو پڑھ لیں حتیٰ کہ رٹ لیں، یاد کر لیں۔ الف سے ی تک شروع سے آخر تک ہر کتاب کا ہر سبق یاد کر لیں۔ اس کے حافظ بن جائیں۔ اس فن پر بڑے ماہر بن جائیں لیکن خود کبھی دریا میں نہ کودیں تو کیا آپ کو پیراکی آئے گی؟ کبھی نہیں آئے گی۔ تو پتہ چلا کہ جو چیز آتی ہی کود پڑنے سے، وہ پڑھنے پڑھانے سے کیا آئے گی؟

علم را بر تن زنی مارے بود   علم را بر جان زنی یارے بود

اسلام کا علم اگر فقط زبان تک رہے ۔ قال تک رہے تو وہ علم اسلام کا نہیں آتا جب تک تن پہ نہ اُتر کر اسلام من پر وارد نہ ہو جائے ۔ جب تک قال سے اتر کر حال نہ بنے ۔ اس وقت تک سمجھ نہیں آتی کہ اسلام کیا ہے ؟ تو پیراکی کتابوں کے پڑھنے پڑھانے سے نہیں آتی ۔ پیراکی اس وقت آتی ہے جب آپ تالاب میں کود کر دیکھیں ۔ دریا میں چھلانگ لگا دیں پھر کیا ہوتا ہے آپ اس کے فن کو اس کے ہر ہر انگ کو اس کے ہر ہر داؤ کو جانتے ہیں لیکن جب کود ے تو کبھی ڈوبے کبھی تیرے ۔ تو یہ ڈوبنا ، کبھی تیرنا امر ناگزیر ہے جب تک غوطے نہ آئیں اور بار بار ڈوبا نہ جائے اور ڈوب ڈوب کر تیرا نہ جائے اُس وقت تک انسان پیراک نہیں ہو سکتا ۔ وہ ڈوب ڈوب کر اور تیر تیر کر جب ساحل مراد تک پہنچتا ہے تو اُسے پھر سوال کیا جائے کہ پیراکی کیا ہے ؟ تو وہ کہے گا کہ پڑھاتا تو عمر بھر رہا تھا لیکن سمجھ اب آئی پیراکی کا فن پڑھاتا تو عمر بھر رہا لیکن سمجھ نہ سکا ۔ سمجھ اُس دن آیا جب خود ڈوبا اور ڈوب کر تیرا اور ساحل تک پہنچا ۔

تو دوستو ! جب پیراکی کا فن تیرنے ڈوبنے کے بغیر نہیں آتا تو اسلام کا حال کس طرح آئے گا ؟ جنہوں نے اسلام سمجھا اور سمجھایا وہ پیراک کی طرح بحر اسلام میں ڈوبے ، غوطہ زن ہوئے ۔ کبھی ان پر فاقے آئے ، کبھی ان کے چولہوں میں دُھواں نہ اُٹھا ۔ کبھی اُن کے گھر آگ نہ جلی ، کبھی پیٹ پر پتھر باندھے ۔ یہ پیٹوں پر پتھر باندھنا کیا تھا ۔ یہ ڈوبنا اور تیرنا ہی تو تھا ۔ کبھی سفر کے مصائب آئے ۔ کبھی حضر کے مصائب آئے ۔ کبھی ڈوبے کبھی تیرے ۔ کبھی خوشگوار حالات آئے کبھی پریشان حالات آئے ۔ کبھی دکھی ہوئے ، کبھی جلے ہوئے الغرض ان حالات میں کبھی ۳۱۳ ہوئے تو ہزار کے سامنے کھڑا کر دیا ۔ کبھی سواری نہ تھی سواری والوں کے سامنے کھڑا کر دیا کبھی تلوار نہ تھی ، ہاتھوں میں چھڑی تھما دی اور تلواروں کے سامنے کھڑا کر دیا ۔ یہ تیرنا ڈوبنا تھا ۔ اِدھر چھڑی دے دی اُدھر ہاتھ اٹھا لئے ۔ عرض کیا ، باری تعالیٰ ! یہ میری کل پونجی تھی جو میں نے آج بدر کے دن تیری بارگاہ میں پیش کر دی ۔ آج اگر یہ پونجی لُٹ گئی ۔ یہ بھی لاڈ کی باتیں ہیں ۔ اگر یہ پونجی لُٹ گئی تو قیامت تک تیرا نام لینے والا کوئی نہ ہوگا ۔ وہی چھڑیاں تلواریں بن گئیں ۔ ان اصحابہؓ سے پوچھیے وہ کہتے ہیں کہ ہماری تلوار ابھی دشمن مدمقابل کی گردن تک نہیں جاتی تھی کہ کٹ پہلے جاتی تھی ۔ تلوار ابھی پیچھے تھی کہ گردن کٹ پہلے جاتی تھی ۔ اب یہ بات پڑھنے پڑھانے والوں کو کس طرح سمجھ آئے ۔ یہ انہی کی سمجھ میں آتی ہے جو چھڑی لے کر کود پڑتے ہیں جو پیراکوں کی طرح ڈوبتے اور تیرتے ہیں ۔ دور قریب ہو کر موت کو جب دیکھتے ہیں تو سمجھ آتی ہے کہ تیرنا کیا ہے ، ڈوبنا کیا ہے ؟

لہ بخاری کتاب المغازی (باب الخندق)

[illegible] چھوٹے بڑے غزوات، سرایہ بہتر[1] کے قریب جنگیں اس میں کوئی مہینہ ایسا خالی نہ گزرا جو جنگ کے بغیر گزرا ہو۔ غزوات ہوئے تو خود تشریف لے جاتے تھے۔ سرایہ میں صحابہؓ جاتے تھے۔ پے در پے جنگیں ہوئیں اور اگر آپ اسلام کی پہلی صدی کا مطالعہ کریں تو پتہ چلتا ہے کس طرح ہر وقت خون آشام زندگی تھی پہلی صدی کے مسلمانوں کی۔ آج نافہم لوگ تو شاید اسلام کی تاریخ کے اس پہلو پر اعتراض کریں لیکن انہیں سمجھ نہیں کہ جب تک کٹ مرنے سے محبت نہ ہو اسلام کا جھنڈا لہرا نہیں سکتا۔ یہ تیرنے اور ڈوبنے کا فلسفہ ہے۔

جب انسان کے من پر ایک بات وارد ہوتی ہے تو سمجھ آتی ہے جس نے بھوکا رہ کر دیکھا نہ ہو اُسے کیا خبر فاقہ کیا ہے؟ جس نے پیاس کی شدت کبھی دیکھی ہی نہ ہو اُسے کیا خبر کہ پیاسے پر کیا بیتی ہے جس نے سفر کی غربت کبھی دیکھی ہی نہ ہو اُسے کیا خبر کہ سفر کیا ہے بالکل اسی طرح جس نے رات کو اُٹھ کر اپنے رب کو منانے کے لئے رو کر کبھی دیکھا ہی نہ ہو اُسے کیا خبر کہ آنکھوں کے آنسو کیا ہوتے ہیں؟ اور دل کا دھڑکنا کیا ہوتا ہے اور پہلو میں قلب کا پھڑکنا کیا ہوتا ہے۔ جس نے پھل کبھی چکھا ہی نہ ہو اُسے کیا خبر کہ اُس کا ذائقہ کیا ہوتا ہے ؎

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو عجب چیز ہے لذّتِ آشنائی

یہ وہ چیز ہے جسے من پر وارد ہونا چاہیئے۔ ہمارا اسلام تن کا ہو کر رہ گیا ہے۔ کاش! اسلام من پر اُترتا۔ ہمارا اسلام حلق سے اوپر ہے فقط قال کا اسلام ہے اور اسلام چاہتا ہے کہ اس کا حال بن جائے یہی وجہ ہے کہ یہ باتیں سمجھ میں نہیں آتیں کہ جب وہ چیز وارد ہی نہیں ہوئی سمجھ کہاں سے آئے؟ اگر یہ چیزیں وارد ہو جائیں پھر آپ قدم قدم پر دیکھیں گے کہ اثرات و برکات کیا ہوتے ہیں۔ آپ کے قدموں سے دھول اڑے اور خاک کے ذروں سے اللہ کریم لوگوں کو شفائیں عطا فرمائے۔ اگر آپ اللہ کے بندے بن جائیں۔ اگر آپ اللہ کے ہو جائیں اور جو اللہ کے ہو جاتے ہیں، جنگ میں اُن کے گھوڑوں کی ٹاپوں سے جو خاک اُڑتی ہے رب اُن کی بھی قسم کھاتا ہے[2] آپ اللہ کا ہو کر تو دیکھیں۔ پھر دیکھیں کہ وہ تعلق کی لاج کس طرح نبھاتا ہے۔ اس میں آپ کا کوئی کمال نہیں یہ سنت اللہ کا کمال ہے۔ جب آپ کا تعلق اس سے قائم ہو جاتا ہے اور تعلق ایک کیفیت بن کر آپ کے من پر وارد ہوتا ہے۔ اس کے اثرات آپ کے قلب و روح پر وارد ہوتے ہیں اُس وقت آپ کو پتہ چلتا ہے کہ یہ برکات کیا تھیں اور تاثیرات کیا تھیں تو ایکسپیریمنٹل وری فیکیشن (Experimental verification) ہوتی ہے۔ تجرباتی توثیق ہوتی ہے۔ ہر وہ تصور جس کو آپ سنتے پڑھتے تھے اُس کا عملی مشاہدہ کر سکتے ہیں۔ یہ سب باتیں ممکن ہیں لیکن ہمارے من کا

---

[2] سورۃ العادیات

سیٹ خراب ہو گیا ہے

ریڈیو اور ٹیلی ویژن اسٹیشن سے پروگرام تو نشر ہوتے رہتے ہیں اور آوازیں ان پروگراموں کی ہواؤں میں منتشر ہوتی رہتی ہیں آوازیں ہر وقت ہواؤں میں قائم رہتی ہیں۔ آواز کسی وقت ختم نہیں ہوتی لیکن ہم نہیں سن پاتے اور اپنے گھر بیٹھے ہزاروں میلوں پر سے جب سننا چاہتے ہیں تو ہم ایک ریڈیو سیٹ لیتے ہیں۔ اس سیٹ کے اندر یہ توانائی اور صلاحیت ہے کہ ہواؤں کے اندر غیر محسوس آوازوں کو کیچ کرلے پھر ہم کیا کرتے ہیں اگر لاہور کو سننا چاہتے ہیں تو سیٹ کے اندر جو لاہور اسٹیشن کا نمبر ہے سوئی کو عین اس نمبر پر لاتے ہیں جونہی سوئی اس نمبر پر آئے اور سیٹ صحیح ہو بشرطیکہ خراب نہ ہو تو لاہور اسٹیشن کے نمبر پر سوئی آتے ہی آواز سنائی دینے لگتی ہے۔ رابطہ قائم ہو جاتا ہے آوازیں آنے لگتی ہیں اور اگر ٹی وی سیٹ ہو تو فقط آواز ہی نہیں بلکہ سب کچھ دکھائی بھی دینے لگتا ہے صرف دو باتیں درکار ہیں کہ سیٹ صحیح ہو اور سوئی ٹھیک نمبر پر ہو۔

تو دوستو! اس طرح اللہ کے فضل کی اور اس کی رحمت کی شعاعیں ہر گھڑی کائنات میں موجود ہیں اور آقائے دوجہاں کے لطف و کرم کی شعاعیں امت کے لئے کائنات میں متوسط ہیں جو ہمیں ان کانوں سے سنائی نہیں دیتیں اگر آپ بھی رب کے فضل کا نظارہ اپنی آنکھوں سے کرنا چاہتے ہیں۔ رب کی عظمتوں اور نعمتوں کو ان کھلی آنکھوں سے دیکھنا چاہتے ہیں اور اپنے کانوں سے سننا چاہتے ہیں تو آؤ! کچھ بعید نہیں۔ من کا سیٹ درست کر لو۔ اپنے قلب و باطن کا سیٹ درست کر لو اور پھر اپنے دل کی سوئی اس اسٹیشن پر لگاؤ جس کا نام مدینہ ہے پھر قلب و باطن کا سیٹ درست کرنے کے بعد اپنے دل کی سوئی، محبت کی سوئی اسٹیشن پر لا کر کھڑی کر دو پھر جو لہریں وہاں سے رواں ہیں سب کچھ سنائی دیں گی اور اگر سکرین بھی ٹھیک ہو جائے۔ دل کا پردہ بھی ٹھیک ہو جائے تو سنائی بھی دے گا سب دکھائی بھی دے گا۔

ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں
راہ دکھلائیں کسے رہرو منزل ہی نہیں

سیٹ ہمارا اپنا خراب ہوتا ہے۔ ہم انکار حقیقتوں کا کرنے لگتے ہیں۔ اگر آپ سیٹ نہ چلائیں تو کیا آپ کو حق پہنچتا ہے یہ کہنے کا کہ جی کچھ سنائی نہیں دیتا۔ اس کا کوئی وجود نہیں ہے۔ کیا حق ہے آپ کو؟ ہر چیز کا وجود ہے ہر شے کی حقیقت ہے لیکن اس حقیقت کو پانے کے لئے کوئی ذریعہ چاہیئے۔ اگر سیٹ خراب ہو تو آپ سیٹ ٹھیک کرنے والے کے پاس جائیں گے۔ یہ فن کی بات ہے اور فن صاحب فن کے پاس ہوتا ہے۔ آپ میرے پاس آ جائیں ان کے پاس چلے جائیں۔ اناڑیوں کے پاس چلے جائیں تو مزید بگڑ جائے گا۔ کسی سمجھدار قابل صاحب فن کے پاس جائیں

[illegible] سمجھ [illegible] سب کچھ دکھائی دینے لگتا ہے ۔ اللہ کے فضل و کرم کے نظارے عام ہیں ۔ قدم قدم پر دکھائی دیتے ہیں ۔ صحابہؓ دیکھتے تھے ، تابعینؒ دیکھتے تھے ، صوفیاءؒ دیکھتے تھے ۔ اکابر دیکھتے تھے ، صلحا دیکھتے تھے ۔ آج صلحا دیکھتے ہیں ۔ اللہ کے مقبول بندے دیکھتے ہیں ۔ اللہ کے مقرب بندے آج دیکھتے ہیں ۔ وہ سب دیکھتے ہیں جن کا سیٹ ٹھیک ہے اور جن کی سوئی دھیان پہ لگی ہو وہ آج بھی دیکھتے ہیں لیکن ہم نابینا ہو گئے ۔ جب ہمیں دکھائی نہیں دیتا تو ہمیں کیا حق ہے کہ ہم انکار کر دیں ۔ یہ سب چیزیں یہ سب برکتیں ، یہ تاثیریں حق ہیں فقط اپنے مَن کا سیٹ درست ہو جائے تو پھر سب کچھ نظر آجاتا ہے ۔

ارے دیکھنے والے ! یہ تو روحانی باتیں ہیں ۔ مادی دنیا میں دیکھنے والوں نے اس امریکہ میں بیٹھ کر چاند کے نظارے اسٹریٹ ٹی وی (T.V. بذریعہ Air) میں کر لئے ۔ لاکھوں میلوں کے نظارے کر لئے ۔ یہ تو ہزاروں میلوں کی باتیں ہیں ہزاروں میلوں کی یہاں سے وہاں تک کی بات ہے ۔ اب یہ تصور کرنا کہ یہاں بیٹھ کر وہاں کی بات نظر نہیں آتی وہاں بیٹھ کر یہاں کی بات سنائی نہیں دیتی ۔ یہ اس وقت کی باتیں ہیں کہ جب سائنس نے حقائق کو ثابت نہ کیا تھا آج تو سب کچھ ثابت ہو چکا اور اللہ کے فضل اور اس کے لطف و کرم کے نظارے وہ بھی آج پیکرِ محسوس بن کر دکھائی دے سکتے ہیں ۔ اگر ہم وہ آنکھیں حاصل کر لیں جس سے وہ نظر آئیں ۔

تو یہ حق ہے کہ ہر مرض کی دوا اور ہر مرض کی شفا فاتحہ ہے ۔ اللہ کا کلام قرآنِ مجید اس کی تشریح کرتا ہے ۔ یہ بھی اسباب میں سے ہے ۔ اللہ نے دنیا میں کچھ اسباب ظاہری پیدا فرمائے ہیں ۔ کچھ روحانی جس طرح آپ دوائی لیتے ہیں ڈاکٹر سے آپریٹ (Operate) کرواتے ہیں اور میڈیکیشن (Medication) ہوتی ہے اور علاج معالجہ ہوتا ہے وہ بھی تو سبب ہے نا ! اور شفاء اللہ دیتا ہے وہ ظاہری سبب ہے اور یہ باطنی سبب ہے ۔ یہ بھی سبب ہے لیکن اس کو اپنانا تدبیر کے طور پر فرض ہے ۔ اس کو ترک کرنا گناہ ہے ۔ سُنت کی خلاف ورزی ہے اس لئے کہہ رہا ہوں کہ کہیں دَم کے پیچھے پڑ کے اور تعویزوں کے پیچھے پڑ کے علاج معالجے کے نظام کو چھوڑ نہ دیا جائے ۔ یہ ناجائز اور گمراہی ہے ۔ بعض لوگ اپنی جھوٹی دکانداری چلانے کی خاطر اور چار ٹکے کمانے کی خاطر لوگوں کی زندگیاں برباد کر دیتے ہیں ۔ علاج معالجہ نہ کرو بس ہم سے دَم کراؤ اور تعویز لے جاؤ ۔ یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سُنّت کے خلاف ہے ۔ علاج معالجہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سُنّت ہے اور تدبیر کے طور پر ہمارا فرض ہے کہ اس کو اپنائیں ۔ برکت ہم چاہے جہاں سے حاصل کریں ۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلامؐ کی بارگاہ میں ایک صحابیؓ آئے ۔ حضورؐ نے پوچھا ! کس پر آئے ہو ؟ اُس نے کہا حضورؐ ! اونٹ پر

آیا ہوں۔ فرمایا: اونٹ کو کہاں چھوڑ آئے ہو؟ عرض کیا حضورؐ! توکل پر چھوڑ آیا ہوں۔ حضورؐ نے فرمایا: واپس جاؤ، پہلے اُس کی تدبیر کرو۔ پہلے اس کے گھٹنے باندھو۔ پھر توکل کرو۔ یعنی پنجابی میں کہتے ہیں: "پہلے اُٹھ دا گوڈا بنھ مُڑ تقدیر دی گل کر۔"

ہم جس کو توکل سمجھتے ہیں کہ تدبیر کو چھوڑ کر یہ تعطل ہے توکل نہیں۔ فرض نبھانا عالمِ اسباب میں یہ ہماری ذمہ داری ہے اور نتائج اللہ پر چھوڑ دینا اس کو توکل کہتے ہیں۔ اسباب کو بروئے کار لاتے ہیں۔ ان پر بھروسہ نہیں کرتے۔ اسباب ظاہری بھی ہوتے ہیں اور روحانی بھی۔ مشکوٰۃ شریف میں ہے حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے مصر میں جا کر حضرت یوسف علیہ السلام سے عرض کیا کہ آپ کے والد ماجد اور ہمارے والد حضرت یعقوب علیہ السلام بیمار ہیں۔ آپ کے غم میں رو رو کر آنکھوں کی بینائی گنوا بیٹھے ہیں۔ آنکھوں کی بینائی جاتی رہی رو رو کر۔ میں آپ کو اسباب کی دلیل عرض کر رہا ہوں۔ قرآنِ مجید میں ہے۔ اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِيْ يَاْتِ بَصِيْرًا[1] یہ قمیص لے جاؤ اور میرے باپ کی آنکھوں پر رکھنا بینائی لوٹ آئے گی۔ یہ دنیا کے ظاہری اسباب تھے کوئی اصول ہے کہ آنکھوں پر قمیص پھیری جائے اور بینائی لوٹ آئے نہ دوا کی نہ آپریشن فقط قمیص رکھنا بینائی آجائے گی۔ تو پتہ چلا کہ ایسے ہی اسباب ہوتے ہیں ان کی سمجھ اُن کو آتی ہے جو ان میں غرق ہو جاتے ہیں۔ فقط بات نہ تھی عمل تھا فَلَمَّآ اَنْ ۔۔۔ فَارْتَدَّ بَصِيْرًا[2] پس وہ قمیص لے کر چلے گئے اور ان کے چہرے پر اس کو رکھا۔ آنکھیں بینا ہو گئیں۔ قرآن گواہی دے رہا ہے تو اس طرح یہ چیز حق ہے اسی سے تصور نکلتا ہے۔ روحانی اسباب کی صورت میں کرامات کا اور برکات کا اور تاثیرات کا۔ یہ حق ہے اور صحابہ کرامؓ کیا کرتے[3]۔ سانپ ڈس جاتا تو سورۃ فاتحہ پڑھ کر دم کرتے اور مریض شفایاب ہو جاتا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی اس کی تصدیق کرتے۔

آج ہم کہتے ہیں ایسا نہیں ہوتا۔ ہمارے دم کرنے سے ایسا نہیں ہوتا۔ اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ یہ محض قصے کہانیاں ہیں حقیقت نہیں۔

دوستو! ہمیں ایسا نہیں کرنا چاہئے۔ اپنی طرف دھیان کرنا چاہیئے کہ ہمارا دم ہماری زبان اس تعبیر سے خالی ہو گئی اگر کوئی صاحبِ زبان ہو تو اس وقت بھی اثر ہوتا ہے۔ زبان میں تاثیر قلبی طہارت سے آتی ہے۔ دل تو ہمارے گندے ہیں، غلیظ ہیں۔ گناہوں سے حرص و ہوا سے، لالچ اور حسد سے، کبر و نخوت سے، منافقت سے، رب کی یاد کی غفلت سے، دنیا کی غلاظتوں سے، دل کو آلودہ کیا۔ جب باطن طاہر نہ ہو تو زبان میں تاثیر کہاں سے آئے گی۔ اگر قلب و باطن کو طہارت مل جائے تو پھر اندر عبادت اور برکت کے سرچشمے پھوٹ پڑتے ہیں۔ اندر جوں جوں صفائی ہوتی چلی جائے برکتوں کے چشمے پھوٹتے چلے جاتے ہیں اور زبان سے ایک لفظ بھی نکلتا ہے تو برکت ہوتی ہے۔ ایک ہاتھ بھی اُٹھ جائے تو برکت ہوتی ہے۔

[1] سورۃ یوسف آیت ۹۳ پ ۱۳ [2] سورۃ یوسف آیت ۹۶ پ ۱۳ [3] مسند دارمیؒ، شعب الایمان بیہقیؒ

[illegible] صحابیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا [illegible] کوئی

کے پاس پیسے نہ ہوتے سردیوں کے دنوں میں یخ ٹھنڈا پانی لے کر آتیں ۔ ان کے پاس وہی تھا پھر تو کوئی نہ تھے لے کر آتیں ۔ عرض کرتیں ۔ حضورؐ ! پانی میں ہاتھ ڈال دیں بس ہم پی کر شفایاب ہو جائیں گے ۔ حضورؐ اس پانی میں اپنا دستِ مبارک پھیرتے ۔ حدیثِ پاک میں آتا ہے وہ پی کر شفایاب ہو جاتیں اور ان سے حضورؐ یہ بھی نہ فرماتے کہ اتنا یخ ٹھنڈا پانی تو نہ لایا کرو یعنی اتنا ظرف ہوتا اوروں کے لئے سب کچھ برداشت کرنا پڑتا ہے ۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دستِ اقدس پھیرتے وہ شفایاب ہوتیں ۔ لعابِ دہن لگاتے ، آنکھوں کی بیماریاں دُور ہو جاتیں ۔ بیماریاں تو درکنار حضورؐ اپنا دستِ اقدس پھیرتے مردے زندہ ہو جاتے اور مُردوں کا زندہ ہونا پھر دُور کی بات ہے ۔ دستِ اقدس مس کرتے اور خشک تنے سرسبز ہو جاتے ۔

صحیح بخاری اٹھا کر دیکھئے اسطن حنانہ ، کھجور کا تنا " ۔ نہ انسان ، نہ زبان ، نہ حواس ، نہ عقل ، نہ کوئی فہم خشک تنا کچھ بھی نہیں ۔ اس کے ساتھ فقط ٹیک لگا کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جمعہ کا خطبہ دیتے ۔ جسدِ پاک مس ہوتا اس کھجور مُردے تنے سے ۔ ایک مائی تھی اس کا بیٹا لکڑی کا کام کرتا تھا ۔ اُس نے عرض کیا : حضورؐ ! اجازت دیں تو مرا بیٹا لکڑی کا منبر بنا مرکھ دے تاکہ اس پر بیٹھ کر آپ خطبہ ارشاد فرمایا کریں ۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اجازت دے دی ۔ لکڑی کا منبر آگیا ۔ حضورؐ اگلے جمعہ کے دن اس منبر پر تشریف فرما ہوئے ۔ جب جمعہ کا خطبہ دینے لگے تو وہ کھجور کا خشک تنا زاروقطار رونے لگا ۔ اب اُسے یہ زبان کس نے دے دی ۔ اسے یہ احساس اور شعور کس نے دے دیا کہ اب میرا محبوب مجھ سے جدا ہو گیا ہے ۔

حدیثِ پاک میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام منبر سے نیچے اُتر آئے فَوَضَعَ يَدَاهُ عَلَيْهِ اور اپنا دستِ مبارک اس کھجور کے ستون پر رکھا اور وہ سسکیاں لے لے کر چپ ہو گیا ۔ اس کو یہ کس نے خبر دی کہ اب تیرے محبوب کا ہاتھ تیرے اوپر پھر آگیا ۔ ارے ! یہ لمس خود زندگی دینے والا لمس ہے خود مردہ کھجور کے تنے لمسِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے زندگی پا رہے ہیں اور صحابہ رضی اللہ عنہم کہتے ہیں : اگر حضورؐ [illegible] یہ کھجور کا تنا اور روتا رہتا تو اس کے رونے میں اتنا درد تھا کہ شاید ہمارے کلیجے پھٹ جاتے اور سچ بات ہے کہ اتنا درد نہ ہوتا رونا آتا ہی نہیں اور ایسے درد سے رونا آئے تو رحمت کے دریا ڈُل

[illegible] اندر ہے۔ نہ وہ درد ہے، نہ وہ سوز، نہ وہ تڑپ، نہ وہ کیف، نہ وہ رونا، نہ وہ دھونا، نہ تڑپنا، نہ اٹھنا، نہ بے چینیاں، نہ بے تابیاں ؎

نہ وہ عشق میں رہیں گرمیاں　　نہ وہ حسن میں رہیں شوخیاں
نہ وہ غزنوی میں تڑپ　　نہ وہ خم ہے زلفِ ایاز میں

آہ! وہ تڑپ دوبارہ آ جائے تو حسن کی شوخیاں تو آج پھر اپنا نظارہ کرانے کو تیار ہے۔

تو "سورۃ رقیہ اور سورۃ واقیہ"۔ دو نام اور بھی ہیں۔ ان کا معنیٰ بھی اسی طرح تریاق کا ہے اور "واقیہ" "صَائِنَۃٌ وَسَاتِرَۃٌ عَنِ الْاَذٰی"۔ اذیت، مصیبت سے محفوظ کر لینا، بچا لینا یہ بھی اسی معنیٰ میں آتی ہے تو گویا سورۃ فاتحہ ہر مصیبت سے بچاتی ہے، ہر آفت سے بچاتی ہے، ہر تکلیف سے بچاتی ہے اگر ان سب باتوں کی سمجھ آ جائے اور بلکہ یہ سب باتیں عملاً واقع بن جائیں اگر وہ کیف نصیب ہو جائے۔ اگر وہ درد، سوز نصیب ہو جائے اور تعلق باللہ اور تعلق بالرسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حلاوت نصیب ہو جائے۔

منہاج القرآن کی تحریک اللہ کے فضل و کرم سے نہ فرقہ وارانہ تحریک ہے نہ کوئی مسلکی گروہی طبقاتی اور جماعتی تحریک ہے۔ یہ اسلام کے عالمگیر پیغام اور اس کی تمام تر وسعتوں کے ساتھ اٹھنے والی تحریک ہے اور اس کے مدعاؤں میں سے ایک مدعا یہ ہے کہ:

دوستو! ان حلاوتوں کا میں نے ذکر کیا وہ حلاوتیں پھر سے لوٹ آئیں۔ اس کا بنیادی مدعا یہ ہے کہ وہ ٹوٹے ہوئے تعلق پھر سے جڑ جائیں۔ وہ کٹے ہوئے رشتے پھر بحال ہو جائیں، قلب و باطن کو عشقِ الٰہی کا درد پھر سے نصیب ہو جائے اور روح و دل کو اللہ کی محبت اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے عشق کا نشہ پھر سے نصیب ہو جائے۔ اس کے تعلق کی مستی، بے خودی پھر سے نصیب ہو جائے تاکہ آج کا مردِ مومن اس کے عشق میں بے خود ہو کر اپنی خودی کو زندہ کر لے۔ اس کے عشق و مستی میں بے خبر ہو کر دنیا سے باخبر ہو جائے۔ وہ تعلق، وہ رشتہ ایسا جڑے کہ اس تعلق و رشتہ کے نتیجے میں ساری دنیا کے رشتے اس سے جڑ جائیں۔

ہماری ذلت و رسوائی کا سبب یہ ہے کہ ہماری ڈوریاں مرکز سے کٹ گئیں۔ آج وہ ڈوری پھر سے قائم ہو، وہ رشتہ پھر سے قائم ہو۔ وہ تعلق پھر سے جڑ جائے تو لطف و کرم کی بارشیں تو آج بھی ہونے کو بے تاب ہیں

رم جھم بارشیں ہو سکتی ہیں

اللہ جل مجدہ ہمارے حال پہ لطف و کرم فرمائے۔ آج سورۃ فاتحہ کے اسماء مکمل ہو گئے آئندہ درسِ سورۃ فاتحہ کے نزول اور حقیقتِ اوّلیت کے موضوع پر ہوگا۔ وما علینا الا البلاغ۔

مورخہ ۱۴ دسمبر ۱۹۸۶ء بروز اتوار　　رحمت علی کمیونٹی سنٹر

لے صحیح بخاری شریف